دوران جمود کا شکار رہی۔ اگر تھوڑے طویل عرصے (2005-06 تا 2017-18) پر غور کریں تو بھی ٹی ایف آر میں کمی محض فی خاتون 0.5 بچوں کی پیدائش رہی۔ لہٰذا پاکستان میں بار آوری کی شرح میں بہت سست تبدیلی دیکھنے میں آرہی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعی شرح افزائش میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی۔

دوسری مثال یہ ہو سکتی ہے کہ ٹی ایف آر تمام صوبوں میں مختلف ہے۔ پنجاب میں یہ فی خاتون 3.4 بچوں کی پیدائش، سندھ میں 3.6، اور خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں 4.0 ہے۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ نقل مکانی کی شرح کے اعتبار سے بھی تمام صوبوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے جو بلوچستان میں سب سے کم (6.1 فیصد) اور پنجاب میں سب سے زیادہ (13.4 فیصد) ہے۔ اسی طرح سندھ میں نقل مکانی کی شرح 8.0 فیصد اور خیبر پختونخواہ میں 6.7 فیصد ہے۔ مزید برآں، پی ڈی ایچ ایس 2017-18 کے مطابق داخلی نقل مکانی بڑی حد تک صوبوں کے اندر رہی ہے (74 فیصد)۔

ان اعداد و شمار سے لگتا ہے کہ افزائش آبادی کی صوبائی شرح میں قدرتی اضافہ (بار آوری کی شرح) نے سب سے زیادہ کردار ادا کیا ہے جو خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں قدرے بلند رہی ہے۔ مزید برآں، پی ڈی ایچ ایس 2017-18 سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خیبر پختونخواہ میں معکوس یعنی شہری سے دیہی علاقوں کی طرف نقل مکانی ہوئی جو بنیادی طور پر صوبوں کے درمیان ہونے والی نقل و حرکت بھی ہو سکتی ہے جس سے کم از کم جزوی طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس صوبے میں افزائش آبادی کی شرح نسبتاً بلند کیوں رہی۔

انسانی ترقی کے اشاریوں کا جائزہ

'انسانی ترقی' یا 'ہیومن ڈویلپمنٹ' کے اشاریوں کے جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرح پیدائش میں اضافے کی نسبت شرح اموات میں کہیں زیادہ تیزی سے کمی کے باعث پیدائش کے وقت متوقع عرصہ حیات وقت کے ساتھ بڑھتا گیا ہے جو 1981 میں خواتین کے لئے 63.4 سال تھا اور 2017 میں بڑھ کر 67.4 فیصد سال تک پہنچ گیا جبکہ 1981 میں مردوں کے لئے 62.4 سال تھا اور 2017 میں 65.6 سال تک پہنچ گیا۔ اگرچہ پی ڈی ایچ ایس 2017-18 سے پہلے کے پانچ سالوں کے دوران نومولود کی شرح اموات میں کمی آئی لیکن شیر خوار اور بچوں کی شرح اموات بلند یعنی ایک ہزار زندہ بچوں کی پیدائش پر بالترتیب 62 اور 74 رہی۔

پاکستان میں بچوں کی شرح اموات خطے کے دیگر ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے اور یہ آبادی کے بار آوری کے رجحان پر اثرات مرتب کرتی ہے۔ پرائمری کے علاوہ سیکنڈری سکول میں بھی داخلے کی نقد شرح بدستور کم ہے۔ تاہم قبل از پیدائش نگہداشت، باقاعدہ ہسپتالوں وغیرہ میں زچگی اور ماہر عملے کی زیر نگرانی زچگی کے حوالے سے خاطر خواہ بہتری دیکھنے میں آئی ہے۔

گزشتہ دہائی کے دوران رہن سہن کے معیار میں بہتری (غربت میں کمی) بھی دیکھنے میں آئی ہے اور خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والی آبادی کا تناسب 2015-16 میں 24 فیصد تک آ گیا ہے جو 2005-06 میں 50 فیصد تھا۔[6] غربت میں کمی دیہی علاقوں کی نسبت شہری علاقوں میں زیادہ نمایاں ہے۔ غربت میں کمی کے لئے باقاعدہ ہدف کے تحت کام کرنے والے پروگرام مثلاً بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام (بی آئی ایس پی)، جی ڈی پی کی افزائش میں بحالی اور بیرون ملک سے ترسیل زر میں مسلسل اضافہ غالباً وہ بنیادی عوامل ہیں جنہوں نے غربت کم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ تاہم بچوں میں غذائی کمی جو بھوک اور خوراکی سلامتی کا اشاریہ ہے اور جس کی پیمائش چھوٹے قد، کمزوری اور کم وزن کی شرح سے کی جاتی ہے، میں کوئی بڑی بہتری دیکھنے کو نہیں ملی۔ پی ڈی ایچ ایس 2017-18 کے مطابق پانچ سال سے کم عمر کے 38 فیصد بچے چھوٹے قد والے ہیں۔ پاکستان کی تقریباً نصف آبادی کو ہمہ وقت فعال اور صحت مند زندگی کے لئے خاطر خواہ خوراک تک رسائی میسر نہیں ہے۔ پانی کی فی کس دستیابی جو آزادی کے وقت (1947) 5653 مکعب میٹر تھی، 2018 میں 1000 مکعب میٹر تک رہ گئی ہے اور اگر یہی صورتحال برقرار رہی تو 2025 میں فی کس صرف 550 مکعب میٹر پانی دستیاب رہ جائے گا۔[7]

افزائش آبادی اور انسانی ترقی کا باہمی تعلق

افزائش آبادی (یا آبادی میں تبدیلیاں) ترقی کی کہانی کا ایک نمایاں جزو ہے۔ تاہم اصل سوال یہ ہے اس کی مختلف کڑیاں کس حد تک اور سیاق وسباق کی رو سے کس طرح اس میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ مثلاً گزشتہ ایک دہائی کے دوران غربت میں کمی آئی ہے اور غالباً زچہ و بچہ صحت پروگرام (ایم این سی ایچ) کی بدولت ماں اور بچے کی صحت کی نگہداشت (قبل از پیدائش نگہداشت، باقاعدہ ہسپتالوں وغیرہ میں زچگی) میں بھی نمایاں بہتری آئی ہے۔

تاہم بچوں میں غذائی کمی (خوراکی سلامتی)، بچوں کی شرح اموات اور سکول داخلے کی شرح میں کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ایسا کیوں ہے؟ خط غربت کے گرد آبادی کا ارتکاز ہے اور گھرانے کے فی کس اخراجات میں معمولی تبدیلی سے بھی یہ گھرانہ خط غربت سے اوپر چلا جاتا ہے۔ لیکن رہن سہن کے معیار میں اس چھوٹی سی تبدیلی (غربت میں کمی) سے بالعموم گھرانے اس قابل نہیں ہو پاتے کہ صحت اور تعلیم پر زیادہ سرمایہ لگا سکیں یا خرچ کر سکیں بلکہ وہ محض اپنی بنیادی ضرورتیں بالخصوص کھانے پینے کی ضرورتیں ہی پوری کر پاتے ہیں۔ لہٰذا حکومت کی جانب سے صحت، تعلیم اور غذائیت کے بھرپور اور متواتر اقدامات کے بغیر پائیدار ترقی کے متعلقہ عالمی مقاصد کا حصول بہت مشکل دکھائی دیتا ہے۔

آبادی وغربت اور غربت وصحت (اور غذائیت) کا باہمی تعلق خاصا پیچیدہ ہے۔ اس پیچیدگی کو سمجھنا ضروری ہے۔ طولی اعداد و شمار (Longitudinal Data) کے تین ادوار کے تجزیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ گھرانے کی سطح کے دو آبادیاتی ویری ایبلز (Variables) یعنی انحصار کی شرح اور گھرانے کا حجم شماریاتی لحاظ سے نمایاں اور مثبت انداز میں دیرینہ غربت[8] اور خط غربت سے نیچے آنے کے امکان کے ساتھ جڑے ہیں۔[9] گھرانے کی سطح کے اقتصادی ویری ایبلز (یا اثاثے) جن میں زیر ملکیت اراضی اور مویشی، پکا مکان اور کمرے کی دستیابی شامل ہیں، شماریاتی لحاظ سے نمایاں اور منفی انداز میں دیرینہ غربت اور خط غربت سے نیچے آنے کے امکان دونوں کے ساتھ جڑے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آبادیاتی (افزائش آبادی) اور اقتصادی عوامل کا ایک دوسرے پر اثر غربت کو کم زیادہ کرنے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے یعنی محض انحصار کی شرح کم کرنے سے آبادی کا رہن سہن کا معیار بہتر نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے اثاثوں کی ملکیت بھی ضروری ہے۔

اسی طرح غربت وغذائیت کے باہمی تعلق پر نظر دوڑائیں تو پاکستان کے ساتھ دیگر ممالک کے شواہد ظاہر کرتے ہیں کہ اس میں خوراک کی دستیابی سے بڑھ کر مزید چیزوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ بار بار کی بیماری سے جسم میں خوراک کو توانائی میں تبدیل کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے جس سے بچوں میں غذائی کمی کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ اسہال کا تواتر پاکستان اور دوسرے ملکوں میں بھی نومولود اور شیر خوار کی بلند شرح اموات میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔[10] لہٰذا، غربت میں کمی کا انحصار جہاں گھرانوں کے نجی اخراجات پر، بہت زیادہ ہے وہیں بچوں میں غذائی کمی اور صحت میں بہتری کے علاوہ خوراک کی دستیابی میں بڑی حد تک سینیٹیشن، پینے کے صاف پانی کی فراہمی اور بچوں کی نگہداشت کی خدمات پر سرکاری اخراجات ایک محرک کا کردار ادا کرتے ہیں۔

آبادیاتی ثمرات

مشرقی ایشیا کے تجربے کی بنیاد پر ماہرین اقتصادیات، ماہرین آبادی اور ماہرین عمرانیات کی دلچسپی بار آوری کی شرح میں کمی کے ساتھ جڑے عمر کے ڈھانچے کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان اس لحاظ سے کہاں کھڑا ہے؟ دستیاب اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ کام کرنے والی عمر کی بڑھتی آبادی کے ساتھ ساتھ 'ہجوم نوجواناں' کی شکل میں پاکستان کے لئے آبادیاتی ثمرات سے فائدہ اٹھانے کی راہ کھل چکی ہے اور یہ رجحان تقریباً آئندہ تین دہائیوں تک برقرار رہے گا۔ تاہم اس لحاظ سے صورتحال ابھی غیر واضح ہے کہ ہم اس موقع سے کس طرح فائدہ اٹھائیں

---

5 نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاپولیشن سٹڈیز اور آئی سی ایف (2019)۔ آبادیاتی وصحت سروے پاکستان، 2017-18۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاپولیشن سٹڈیز، اسلام آباد/ڈی ایچ ایس پروگرام، آئی سی ایف، میری لینڈ۔

6 حکومت پاکستان، وزارت خزانہ، اکنامک سروے، 2017-18۔

7 محکمہ موسمیات پاکستان کے اعداد وشمار۔

8 دیرینہ غریب وہ لوگ ہیں جو طولی خطوط پر سروے (Longitudinal Survey) کے تینوں ادوار میں خط غربت سے نیچے تھے۔

9 عارف، جی ایم اور شجاعت فاروق (2014)۔ Rural poverty dynamics in Pakistan: evidence from three waves of the panel survey۔ پاکستان ڈویلپمنٹ ریویو، جلد 53، شمارہ 2، صفحہ 71-98۔

10 اگرچہ کمی کا رجحان دیکھنے میں آرہا ہے لیکن پی ڈی ایچ ایس 2017-18 کے مطابق پانچ سال سے کم عمر بچوں میں اسہال اور سانس کی بیماریوں کی شرح بالترتیب 19 فیصد اور 16 فیصد رہی۔

گے اور اسے قوم کے لئے سود مند کس طرح بنائیں گے۔

ایک طرف گزشتہ دو دہائیوں کے دوران بارآوری کی شرح میں معمولی کمی (جو 1990-91 میں فی خاتون 4.9 بچوں کی پیدائش تھی اور 2017-18 میں 3.6 پر آ گئی) نے بچوں کے انحصار کی شرح کم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے کیونکہ کل آبادی میں کم سن بچوں (0 سے 4 سال تک) کا حصہ کم ہوا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کام کرنے والی عمر کی آبادی (15 سے 64 سال) کا حصہ بڑھ گیا ہے۔ کل آبادی کا ایک چوتھائی سے زائد نوجوانوں کی کیٹیگری (15 سے 24 سال) میں آتے ہیں۔ عمر کے ڈھانچے میں یہ تبدیلی جس کے تحت افرادی قوت بڑھ رہی ہے اور زیر کفالت کم سن بچوں کی تعداد کم ہو رہی ہے، یقینا معاشی افزائش کا ایک شاندار موقع پیدا کرتی ہے۔

دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں بارآوری کی شرح میں تبدیلی کا عمل سست ہے جس کے نتیجے میں افزائش آبادی کی شرح بلند ہے جو گھرانوں پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی صلاحیتیں بہتر بنانے پر سرمایہ کاری نہیں کر پاتے جو معاشی افزائش اور آسودہ حالی کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ دیگر ممالک کا تجربہ بتاتا ہے کہ آبادیاتی ثمرات خود بخود حاصل نہیں ہو جاتے بلکہ ان کے لئے سماجی اور اقتصادی شعبوں میں درست سرمایہ کاری کرنا پڑتی ہے۔ موجودہ آبادیاتی صورتحال میں سرمایہ کاری کے لئے اہم شعبے یہ ہیں: (i) آبادی کا استحکام اور صحت کے پروگرام، (ii) شعبہ تعلیم میں توسیع اور مہارتوں کے مواقع، اور (iii) روزگار کے ثمر آور مواقع پیدا کرنا۔ یہاں ایک متعلقہ سوال یہ ہے کہ کیا سی پیک کی بدولت آبادیاتی ثمرات سے فائدہ اٹھانے کا موقع پیدا ہو سکتا ہے جس کے لئے کام کرنے کی عمر کی آبادی بالخصوص نوجوانوں کی مہارتیں بہتر بنائی جائیں اور انہیں ثمر آور روزگار فراہم کیا جائے؟ ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ پاکستان کی آبادی بالخصوص نوجوان معاشی مواقع سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال سمندر پار لیبر مارکیٹوں بالخصوص مشرق وسطیٰ میں کام کرنے والے ایک کروڑ سے زائد پاکستانی اور ان کے ذریعے ہونے والا ترسیل زر ہے جو مائیکرو اور میکرو دونوں سطح پر اپنا نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔ پاکستان کے اندر نوجوانوں کے لئے اسی نوعیت کا روزگار کا موقع پیدا کر دینے سے لوگوں کے لئے ثمر آور زندگیاں بسر کرنے کا موقع پیدا ہو جائے گا۔

حاصل بحث

ضرورت اس امر کی ہے کہ آبادی کو ملکی ترقی کی کہانی کا حصہ بنایا جائے۔ پاکستان میں آبادی کا مسئلہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے کثیر جہتی ہے۔ افزائش آبادی اس کی ایک جہت ہے۔ دیگر جہتوں میں سکول داخلہ کی کم شرح، صنفی عدم مساوات، بچوں کی بلند شرح اموات وغذائی کمی، دیہی علاقوں میں پیہم بلند شرح غربت، نوجوانوں کی بیروزگاری، خوراکی عدم سلامتی اور پانی کی دستیابی میں کمی شامل ہیں۔ یہ تمام جہتیں رویوں اور رجحانات کی تشکیل کرتی ہیں جن میں آبادیاتی رجحان بھی شامل ہے۔ مسئلہ آبادی کی ان تمام جہتوں پر کام کرنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بعض خاندانی اقدار کو فروغ دیا جائے۔

مسئلے کی کثیر جہتی نوعیت کے پیش نظر وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی متعلقہ وزارتوں اور محکموں کی باہم مربوط کوششیں ضروری ہیں۔ ایک تجویز یہ ہو سکتی ہے کہ ''انسانی ترقی والی سوچ'' اپنائی جائے جس میں لوگوں، ان کے لئے میسر مواقع اور انتخاب کی راہوں پر توجہ مرکوز کی جائے اور اس بناء پر باہم مربوط پالیسیوں کی تشکیل کے لئے رہنما اصول وضع کئے جائیں جن کے تحت لوگوں کی صلاحیتیں بہتر بنائیں اور انہیں موقع دیا جائے کہ وہ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں۔

خواتین کی بااختیار حیثیت اور آبادی کے رجحانات

ڈاکٹر یاسمین صبیح قاضی

سینئر کنٹری ایڈوائزر، پاپولیشن پروگرام
دی ڈیوڈ اینڈ لوسائل پیکارڈ فاؤنڈیشن

محققین اور اصلاح پسندوں کا ہمیشہ یہی کہنا رہا ہے کہ صنفی برابری اور خواتین کی بااختیار حیثیت سماجی اصلاح کی بنیادی شرائط ہیں۔ بااختیار حیثیت جس کے لئے انگریزی میں Empowerment کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اپنی تعریف کے اعتبار سے ُایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے بے اختیار لوگ حالات پر نظریئے اور وسائل دونوں اعتبار سے بہتر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں‘۔

بے شمار سماجی اور ثقافتی رکاوٹیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر خواتین کی بااختیار حیثیت میں حائل ہوتی ہیں۔ خواتین جہاں بچوں کی پرورش، کنبے کی نگہداشت اور گھر کو چلانے میں مرکزی کردار ادا کرتی ہیں اور اس کے علاوہ گھر سے باہر بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی ہیں، وہیں لڑکیوں کے لئے باقاعدہ تعلیم کی کمی اور ناقص غذائیت، قبل از وقت شادی اور بچوں کی پیدائش بعض ایسے عوامل ہیں جو انہیں بااختیار بننے سے روکتے ہیں۔ جہاں تک کمیونٹی کا تعلق ہے تو سماجی معاونت کے نیٹ ورکس کی کمیابی، مذہبی رکاوٹیں اور گھر سے باہر خواتین کی نقل وحرکت پر پابندیاں بھی خواتین کی بااختیار حیثیت پر اپنا اثر دکھاتی ہیں۔

خواتین کے لئے حق انتخاب: افزائش آبادی میں دھیما پن لانے کی چابی

گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصے کے دوران کی گئی مطالعاتی سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ افزائش آبادی میں دھیما پن لانے کا بہترین طریقہ آبادی پر جبری کنٹرول نہیں بلکہ اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ تمام لوگ بچوں کی پیدائش کے معاملے میں صحیح معنوں میں اپنی مرضی کے فیصلے کرسکیں یعنی انہیں حق انتخاب حاصل ہو۔

خواتین کے حقوق کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ خواتین کی حیثیت جہاں بھی کمتر ہے وہاں بارآوری کی شرح بلند ہے۔ دنیا کے تمام ملکوں کے صرف پانچویں حصے نے گزشتہ صدی کے دوران دنیا میں افزائش آبادی کا سارا کام انجام دیا ہے۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ یہ ممالک وہ ہیں جہاں لڑکیوں کے سکول جانے کا امکان کم ہے، جہاں بچپن کی شادی عام سی بات ہے، اور جہاں خواتین کو بنیادی حقوق میسر نہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان بھی انہی ممالک میں شمار ہوتا ہے اور جب تک صورتحال کے تیزی سے ازالہ کے لئے اصلاحی اقدامات نہیں کئے جاتے اس میں بگاڑ کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اصل اہمیت اس بات کو سمجھنے کی ہے کہ خواتین کے حقوق اور تولیدی صحت، صحت عامہ اور سماجی انصاف کے معاملے کے طور پر بھی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ افزائش آبادی کی رفتار کم کرنے میں بھی مدد دے سکتے ہیں۔ مانع حمل طریقوں اور معلومات تک رسائی ملنے سے خواتین اس قابل ہو جائیں گی کہ اپنی مرضی سے اپنے خاندان کا سائز محدود کرسکیں۔ اس طرح کنبے زیادہ صحت مند اور زیادہ دولت مند ہوں گے اور بدلتے موسموں کی اس دنیا میں زیادہ بہتر طریقے سے پھل پھول سکیں گے۔

پاکستان ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور شاید یہ حالت کچھ ایسی بے وجہ بھی نہیں۔

پاکستان آبادیاتی وصحت سروے (پی ڈی ایچ ایس) کے تازہ ترین اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک معاشی افزائش کے دہانے پر کھڑا ہے لیکن یہ صرف اسی صورت آگے بڑھ سکتا ہے کہ بارآوری میں کمی کا سلسلہ تیز ہو جائے اور خواتین کو بااختیار حیثیت مل جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ رضا کارانہ خاندانی منصوبہ بندی اور دیگر سٹریٹجک سرمایہ کاری تک ان کی رسائی بڑھ جائے۔

اس ممکنہ معاشی افزائش میں ُآبادیاتی ثمر‘ نامی چیز بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ معاشی افزائش میں یہ تیزی ملک میں عمر کا ڈھانچہ بدلنے سے آتی ہے جس کے تحت دوسروں پر انحصار کرنے والے نوجوانوں (نقد صارفین) کا تناسب کم ہو جاتا ہے اور کام کرنے کی عمر کے بالغ افراد (نقد پیداواری عامل) کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔ کام کرنے کی عمر کی آبادی، اگر تعلیم یافتہ ہو اور ثمر آور طریقے سے برسر روزگار ہو تو اس کے تناسب میں اضافہ سے جو تبدیلیاں آتی ہیں وہ گھرانوں کو رہن سہن کے بہتر معیار سے روشناس کراتی ہیں، ان سے فی کس پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور بچت و سرمایہ کاری کی شرح بھی بلند ہو جاتی ہے۔

پاکستان کی آبادی بیس کروڑ ستر لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے اور ملک آبادیاتی تغیر کے عمل میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا ہے یا یوں کہیں کہ پہلے جہاں لوگوں کی زندگیاں چھوٹی اور گھرانے بڑے ہوتے تھے، اب ان کی زندگیاں لمبی اور گھرانے چھوٹے ہو رہے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے بارآوری کی بلند شرح نے پاکستان میں عمر کے ڈھانچے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ 1980 کی دہائی تک ایک خاتون کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کی اوسط تعداد چھ سے نیچے ہی نہ ہو پائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بچوں اور بلوغت کی عمر کے نوجوانوں کی بڑی تعداد ملک کا خاصہ بن گئی۔ گزشتہ سال 34 فیصد آبادی 15 سال سے کم عمر تھی جن کی صحت، تعلیم اور تصرف کی دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حکومت اور گھرانے کی سطح پر بھاری سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مزید 30 فیصد آبادی 15 سے 30 سال کے درمیان عمر کی تھی۔

نئے پی ڈی ایچ ایس 18-2017 سے ظاہر ہوتا ہے کہ بارآوری کی شرح کم ہو کر ایک خاتون کے ہاں اوسطاً 3.6 بچوں پر آ گئی ہے۔ تاہم گزشتہ سروے کے اعداد وشمار کے ساتھ موازنہ کریں تو یہ سالانہ محض 05. کی کمی کو ظاہر کرتی ہے جو اسی طرح کے آبادیاتی تغیر کے عمل سے گزرنے والے مشرقی ایشیا کے ممالک کے مقابلے میں نمایاں حد تک کم ہے۔ بھرپور ثمرات کی راہ ہموار کرنے کے لئے بارآوری میں کمی کی رفتار کو تیز کرنا ہوگا تاکہ آج کے بچے اور بلوغت کی عمر کے نوجوان جب کام کرنے کی عمر کو پہنچیں تو ان کی اگلی نسل میں بچوں کی تعداد کم ہو۔

اگرچہ بارآوری میں کمی اور اس کے نتیجے میں عمر کے ڈھانچے کی پختگی، ثمرات کو پانے کے لئے ناگزیر ہیں لیکن رضا کارانہ خاندانی منصوبہ بندی تک رسائی میں اضافہ کے بغیر اس سلسلے کے آگے بڑھنے کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ اہم بات یہ ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کی بدولت نہ صرف پیدائش پر کنٹرول اور چھوٹے خاندان کو سماجی طور پر قبول کرنے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے بلکہ ایسے رضا کارانہ، باکفایت اور موثر طریقے بھی میسر ہوئے ہیں جن سے خواتین کو بچوں کی تعداد اپنی خواہش تک رکھنے میں مدد ملی ہے۔

پی ڈی ایچ ایس 18-2017 کے مطابق 25 فیصد خواتین جدید مانع حمل طریقے استعمال کر رہی ہیں جو دو دہائیوں کے عرصے میں 16 فیصد کے اضافے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہر پانچویں خاتون کی خاندانی منصوبہ بندی کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں جس کی

وجہ سے ہر سال لاکھوں خواتین کے ہاں بلاارادہ اور بے وقت حمل کا خدشہ رہ جاتا ہے۔ بارآوری میں کمی کی رفتار سست ہونے کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ پاکستانی خواتین اور مرد بڑے گھرانے (اوسطاً چار بچے) کو ترجیح دیتے ہیں اور 1990 کے بعد بھی اس رجحان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

خاندانی منصوبہ بندی تک رسائی میں بہتری نہ صرف بارآوری میں کمی اور عمر کے ڈھانچے میں تبدیلی کی رفتار تیز کرنے کے لئے ضروری ہے بلکہ یہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کے ثمرات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے۔ خاندانی منصوبہ بندی بلاارادہ حمل، غیر محفوظ اسقاط حمل اور ماں کی موت یا معذوری کی روک تھام کے لئے بھی اہم ہے اور یوں تعلیم، روزگار اور زندگی بھر آمدنی کمانے کے مواقع سے محرومی کا خدشہ ٹل جاتا ہے۔ لہٰذا خواتین کی استعداد کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر عمر کی خواتین کے لئے تعلیم اور روزگار کے مواقع بڑھا کر انہیں بااختیار بنایا جائے۔ تاحال پاکستان کا ریکارڈ کچھ اتنا اچھا نہیں ہے۔ پی ڈی ایچ ایس کے مطابق 51 فیصد خواتین کبھی سکول نہیں گئیں (اس کے مقابلے میں مردوں کا یہ تناسب 25 فیصد ہے) اور سروے کے ایک سال کے دوران صرف 29 فیصد خواتین برسرروزگار تھیں (جبکہ مردوں کا یہ تناسب 98 فیصد ہے)۔

خواتین کو بااختیار بنانے میں درپیش مسائل اور افزائش آبادی کے لئے ان کے مضمرات

ایک قدیم چینی مقولہ ہے کہ عورتوں نے آدھا آسمان اٹھا رکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ روایتی طور پر خواتین ہماری اس دنیا کی کسان، بچے پیدا کرنے والی اور ان کی پرورش کرنے والی غرض خاندان اور معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی رہی ہیں۔ پھر بھی ہماری اسی دنیا میں خواتین صنفی امتیاز کا نشانہ بن رہی ہیں۔ دوسرے درجے کے شہری کی حیثیت سب سے پہلے تو خود خواتین کی بہتری کے لئے نقصان دہ ہے۔ اس کے علاوہ معاشی ترقی کو آگے بڑھانے، غربت میں کمی لانے اور ماحولیاتی لحاظ سے پائیدار معاشروں کے قیام کی راہ میں بھی بڑی رکاوٹ ہے۔

تعلیم تک رسائی: پاکستان میں لاتعداد ایسے خاندان ہیں جو بچوں کو تعلیم دلوانے کے لئے سکول اخراجات ادا کرنے کی سکت نہیں رکھتے اور جب رقم ہو تو اکثر لڑکیوں کے بجائے لڑکوں کو پڑھانے پر لگا دی جاتی ہے۔ عالمی سطح پر پرائمری سکول سے اخراج کا خدشہ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کے لئے 1.5 گنا زیادہ ہوتا ہے اور 78 کروڑ دس لاکھ ناخواندہ بالغ افراد میں سے دو تہائی کے لگ بھگ خواتین ہیں۔[1] تعلیم یافتہ خواتین عام طور پر زیادہ صحت مند ہوتی ہیں، ان کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے، ان کی شادی دیر سے ہوتی ہے اور ان کے بچے کم ہوتے ہیں۔

صنفی برابری: پاکستان سمیت کئی معاشروں میں خواتین کو عوامی، سیاسی اور معاشی زندگی میں بھرپور شمولیت سے روک دیا جاتا ہے اور انہیں زیادہ تر گھریلو ذمہ داریوں تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ ان اقدار اور تعصبات کی وجہ سے خواتین کو تعلیم، جائیداد کے حقوق، ملازمتی تربیت اور روزگار تک برابر رسائی نہیں مل پاتی۔ جو خواتین برسرروزگار ہیں ان کے ساتھ بھی ہوشربا حد تک معاشی امتیاز دیکھنے کو ملتا ہے۔ عالمی سطح پر خواتین کی آمدنی مردوں کے مقابلے میں اوسطاً 24 فیصد کم ہے۔ خواتین جب آمدنی کمانے لگتی ہیں اور مالی طور پر آزاد ہو جاتی ہیں تو ان کے بارے میں یہ امکان زیادہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان پر زیادہ رقم لگائیں گی یعنی بہتر غذائیت، ادویات اور بہتر رہائش پر خرچ کریں گی۔

خواتین حکومت میں: کئی قانونی اور سماجی ادارے مثلاً ملکی آئین اور سیاسی جماعتیں سیاسی شمولیت میں خواتین کی برابری کی ضمانت دینے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ کئی سطحوں پر خواتین نمائندگی کی کمی کا شکار ہیں۔ دنیا بھر کے ارکان مقننہ میں خواتین کا تناسب صرف 22 فیصد ہے اور صرف 19 فیصد سربراہان مملکت کے طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں (195 ممالک میں سے)۔[2] سیاسی قیادت کے عہدوں پر فائز ہونے والی خواتین اکثر حقوق نسواں اور صحت کے علاوہ ایسے دیگر مسائل کا علم بلند کرتی ہیں جنہیں بصورت دیگر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

بچپن کی شادی: صنفی عدم مساوات، غربت، ثقافتیں، روایات اور تعلیم کی کمی، یہ سب بچپن کی شادی کو فروغ دیتے ہیں جس کی وجہ سے دنیا بھر میں خواتین کی صحت، تعلیم اور آزادی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ جو لڑکیاں دلہن بن جاتی ہیں وہ سکول چھوڑ دیتی ہیں اور تعلیمی مواقع سے محروم رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے ان کے لئے روزگار کے مواقع اور مالی سلامتی محدود رہ جاتی ہے۔ کم سن دلہنوں کے ہاں ان کی پوری زندگی میں اوسطاً زیادہ بچے ہوتے ہیں، ان کے ہاں بارآوری کی شرح زیادہ ہوتی ہے جس سے بالخصوص ترقی پذیر اقوام کی آبادی کی افزائش تیز ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں سندھ واحد صوبہ ہے جس نے 2013 میں بچپن کی شادی کے قانون کی منظوری دی لیکن عملدرآمد آج بھی کمزور ہے۔ دوسرے صوبوں نے تو ابھی اس راہ پر قدم بڑھانا ہے۔

خواتین کی صحت: ایسے معاشروں میں جہاں بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں کم اہمیت ملتی ہے، لڑکیوں کو اکثر لڑکوں کی نسبت کم نگہداشت، کم توجہ اور کمتر سلوک ملتا ہے۔ بات دیہی اور دورافتادہ علاقوں کی ہو جہاں بنیادی ڈھانچہ زیادہ ناقص ہے تو یہ مسائل مزید بگڑ جاتے ہیں۔ بطور بالغ فرد، غربت کی زندگی گزارنے والی خواتین کو صحت کے خطرات زیادہ ہوتے ہیں اور اکثر ان کے پاس حفظان صحت (بشمول خاندانی منصوبہ بندی) اور مناسب غذائیت کے اخراجات کے لئے رقم نہیں ہوتی۔ تولیدی صحت کے تحفظ کے لئے معلومات اور خدمات تک خواتین کی رسائی بشمول بچوں کی تعداد اور وقت کے فیصلوں میں خواتین کی شمولیت خاص طور پر اہم ہے۔ حمل اور بچے کی پیدائش سے متعلق پیچیدگیاں تولیدی عمر کی خواتین کے لئے دوسرا سب سے بڑا قاتل ہیں جس کا بڑا سبب یہ ہے کہ پاکستان میں کئی خواتین کو خاندانی منصوبہ بندی اور بنیادی حفظان صحت کی خدمات تک رسائی میسر نہیں ہے۔ خواتین اگر بچوں کی تعداد اور وقت کے بارے میں فیصلہ کریں گی تو وہ کم بچوں کو ہی ترجیح دیں گی جس سے ماں اور بچے کے لئے صحت کے نتائج میں بہتری آئے گی اور خواتین کو معاشرے میں پوری طرح حصہ لینے کی زیادہ آزادی مل سکے گی۔ اس فرق کو دور کرنا نہ صرف خواتین کی خودمختاری اور فلاح کے لئے بلکہ عالمی معاشرے کی سماجی و معاشی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے کیونکہ خواتین اور لڑکیوں کے فائدے کی بات سے سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس سے افراد کو فائدہ پہنچتا ہے، اس سے خاندانوں کو فائدہ پہنچتا ہے، اس سے کمیونٹیز کو فائدہ پہنچتا ہے اور پورے ملک کو فائدہ پہنچتا ہے۔

خواتین کی بااختیار حیثیت اور صنفی ترقی

پاکستان میں خواتین ملکی آبادی کا تقریباً 49 فیصد ہیں۔ پاکستان نے پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد پورے کرنے کا عہد کر رکھا ہے جن میں مقصد نمبر 5 بھی شامل ہے یعنی صنفی برابری اور خواتین اور لڑکیوں کے خلاف ہر طرح کے امتیاز کا خاتمہ۔ حکومت نے ان عالمی مقاصد کو اپنے قومی مقاصد کے طور پر اپنا لیا ہے۔ پاکستان کی ترقی کے عمل میں خواتین کی شمولیت کو ایک اہم عنصر کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ خواتین کی ترقی کے اشاریے آہستہ آہستہ بہتر ہو رہے ہیں لیکن اس حد تک نہیں کہ صنفی برابری قائم کر سکیں جو سکول داخلے کی شرح ہو یا لیبر مارکیٹ میں شمولیت یا پھر فیصلہ سازی، ہر شعبے میں ہنوز ایک خواب دکھائی دیتی ہے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں سرکاری شعبے میں خواتین کے لئے ملازمتوں کا کوٹہ اور اسمبلیوں میں نشستوں کا کوٹہ بڑھانے کی متعدد کوششیں کر چکی ہیں۔ تاہم قومی منظرنامے میں تاحال برائے نام ہی کوئی تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔

خلل سہی، لیکن مثبت ہے!

گزشتہ سال سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس نے مردم شماری نتائج کے اجراء کے بعد افزائش آبادی کی بے مثال شرح پر ازخود کارروائی کی۔ یہ ازخود کارروائی انسانی حقوق پٹیشن پر کی گئی۔ اس کی بدولت اس مسئلے کو غیر معمولی حد تک توجہ ملی جسے اب تک نظرانداز کیا جاتا رہا تھا یا جو میدان سیاست کے کونے کھدروں میں چھپا رہا۔ ایک ٹاسک فورس تشکیل دی گئی جس نے چند ماہ کام کر کے ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کو تیز کرنے کے لئے 8 منتخب سفارشات پیش کیں۔ ان سفارشات کی منظوری اب مشترکہ مفادات کونسل نے دے دی ہے۔ کونسل کی سفارشات کے نتیجے میں وزیراعظم کی سربراہی میں ایک وفاقی ٹاسک فورس اور چاروں وزرائے اعلیٰ کی زیرقیادت چار صوبائی ٹاسک فورسز قائم کر دی گئی ہیں۔ ان کا کام نگرانی کرنا اور متعلقہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں سے مشترکہ مفادات کونسل کی منظورشدہ سفارشات پر عملدرآمد کے حوالے سے جواب طلب کرنا ہے۔ اگر عملدرآمد کی رفتار بھی وہی ہو جائے جس پر یہ تمام سرگرمیاں ہوئی ہیں تو پھر کچھ بعید نہیں کہ پاکستان میں بھی خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کے اثرات میں تیزی دیکھنے کو ملے گی جس کے نتیجے میں مانع حمل طریقوں کے استعمال کی شرح بہتر ہوگی، شرح افزائش کم ہوگی اور ایسی خواتین کی تعداد میں بھی کمی آئے گی جن کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ اس سے ملک کو اپنے 'ایف پی 2020' کے اہداف کے قریب پہنچنے میں بھی مدد ملے گی جن کا وعدہ اس نے عالمی برادری کے سامنے کیا تھا کہ جدید مانع حمل طریقوں کے استعمال کی شرح کو 2020 میں 50 فیصد تک لایا جائے گا۔

---

1 یونیسکو انسٹی ٹیوٹ آف سٹیٹسٹکس (2016)، Leaving no one behind: How far on the way to universal primary and secondary education?۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://unesdoc.unesco.org/ark:/48223/pf0000245238

2 یو این ویمن، Facts and Figures: Leadership and Political Participation۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: http://www.unwomen.org/en/what-we-do/leadership-and-political-participation/facts-and-figures

پاکستان کی بڑھتی آبادی اور گھٹتے ہوئے قدرتی وسائل

زیبا ستھار

کنٹری ڈائریکٹر، پاپولیشن کونسل، پاکستان

1998 سے 2017 تک مردم شماری کے دو ادوار کے درمیانی عرصہ میں پاکستان کی آبادی 2.4 فیصد کی شرح سے بڑھی۔ کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ آبادی میں اضافہ اتنی تیزی سے ہو جائے گا۔ ملکی وسائل بالخصوص اس کے محدود قدرتی وسائل پر بڑھتی آبادی کا یہ دباؤ کئی لحاظ سے عدم توازن کا باعث بن رہا ہے جو فی الوقت چیلنج تصور کئے جاتے ہیں لیکن خدشہ ہے کہ مستقبل قریب میں بحران کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ اس کے باوجود جب 2017 کی مردم شماری کے نتائج کا اعلان ہوا تو یہ پریشان کن خبر، کہ ہماری آبادی بیس کروڑ ستر لاکھ ہے (جو 2010 کے بارآوری میں کمی کی بنیاد پر لگائے گئے انتہائی محتاط اندازوں سے کئی ملین زیادہ تھی) بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح قبول کر لی گئی جیسے اس کا ملکی ترقی کے موجودہ یا آئندہ منظرنامے سے کوئی تعلق ہی نہ بنتا ہو۔

سیاسی حلقوں اور میڈیا نے کئی دوسری باتوں کو توجہ کا مرکز بنانے میں کوئی دیر نہ لگائی جن میں نمبروں کی سیاست مثلاً سیاسی نشستیں، مالی وسائل میں حصے اور صوبوں کی قوت اور ان کے حصے نمایاں دکھائی دیتے تھے۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آبادی کی اس ناپائیدار افزائش پر خاموشی اور اطمینان کی کیفیت ناروا ہے جو کسی دائمی مرض سے کم نہیں۔

2030 تک اندازہ ہے کہ ہماری آبادی بیس کروڑ اسی لاکھ کی موجودہ تعداد سے بڑھ کر 26 کروڑ 80 لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ سب کچھ معمول کے مطابق والے اس ماحول میں قدرتی وسائل پر دباؤ سے پیدا ہونے والے مسائل عین ممکن ہے کہ کہیں زیادہ شدید ہو جائیں جن کا اندازہ زراعت اور خوراک کی پیداوار، صحت، غربت، بلکہ یوں کہئے کہ ترقی اور آسودہ حالی کے تمام شعبوں میں بحرانوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

پانی کا بحران

پانی سے بات شروع کر لیتے ہیں۔ آبپاشی، صفائی ستھرائی، اور سب سے بڑھ کر پینے اور ذاتی استعمال کے لئے پانی کی قلت بالآخر عوامی توجہ کی سزاوار بن چکی ہے۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ 1981 تک ہمارے ہاں پانی وافر تھا اور فی کس دستیابی 2,123 مکعب میٹر تھی۔ لیکن اُس وقت یعنی کئی دہائیاں پہلے بھی حقیقت ہمارا منہ چڑا رہی تھی۔ ماضی کی آبادی پالیسیوں میں طرح طرح کے منظرنامے کھینچے گئے اور ہمیں خبردار کیا جاتا رہا کہ کچھ دہائیوں میں حالت کیا ہوگی۔ 1980 کی دہائی میں جب پاکستان میں افزائش آبادی کی دوڑ لگی تھی لیکن پانی پھر بھی وافر تھا تو 'نیشنل کنزرویشن سٹریٹجی' میں خبردار کیا گیا کہ یہ کثرت زیادہ دیر نہیں رہے گی۔ 1998 میں جس وقت مردم شماری ہوئی تو ہماری آبادی تیرہ کروڑ بیس لاکھ تک پہنچ چکی تھی جبکہ افزائش کی سالانہ شرح 2.6 فیصد تھی۔ پانی کی دستیابی 1,351 مکعب میٹر فی کس کی پریشان کن سطح کو چھونے لگی تھی۔

پاکستان میں پائی جانے والی اطمینان کی کیفیت کا ایک جزوی سبب شاید یہ مفروضہ بھی تھا کہ افزائش آبادی کی شرح کم ہونے لگی ہے اور جلد یہ خطے کے دوسرے ممالک کے برابر آجائے گی۔ لیکن 2000 سے 2017 کے درمیانی عرصے میں ملک میں بارآوری اور افزائش آبادی کی شرح میں برائے نام تبدیلی دیکھنے میں آئی جبکہ خطے کے دیگر ملکوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں آئیں۔ اب 2017 کی نئی مردم شماری سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تباہ کن پیش گوئی اب ایک حقیقت بن چکی ہے یعنی ہم 861 مکعب میٹر کی سطح پر پانی کی قلت کا شکار بن چکے ہیں۔ مردم شماری کے دونوں ادوار کے درمیانی عرصے میں افزائش کی شرح اگر 1.6 فیصد رہتی، جو پالیسی اعتبار سے بہترین سمجھی جاتی ہے، تو پانی کی دستیابی آج 1,000 مکعب میٹر ہوتی (شکل 1)۔

گھٹتے ہوئے آبی وسائل اور بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ پانی کی فی کس دستیابی میں کمی کا سلسلہ جاری رہے گا جو ہر چیز پر، حتیٰ کہ ان کمیونٹیز کی صحت پر بھی اپنا اثر دکھائے گا جہاں پانی کی دستیابی 7.5 لٹر فی فرد یومیہ سے بھی کم ہو چکی ہے جو عالمی ادارہ صحت کے مطابق صحت اور حفظان صحت کو برقرار رکھنے کے لئے کم سے کم مطلوبہ سطح ہے۔ دوسری جانب بارآوری کی شرح میں کمی، جو ہر سال اندازاً چالیس لاکھ بلاخواہش بچوں کی پیدائش اور حمل کی روک تھام سے ممکن ہوئی، سے پانی کی فی کس دستیابی میں بہتری آسکتی ہے۔

اراضی پر اثرات

پانی وہ واحد وسیلہ نہیں جو اس وقت خطرے سے دوچار ہے۔ اراضی اور اس

شکل 1: پاکستان میں پانی کی دستیابی بمقابلہ افزائش آبادی، افزائش آبادی کی موجودہ اور ممکنہ شرح پر

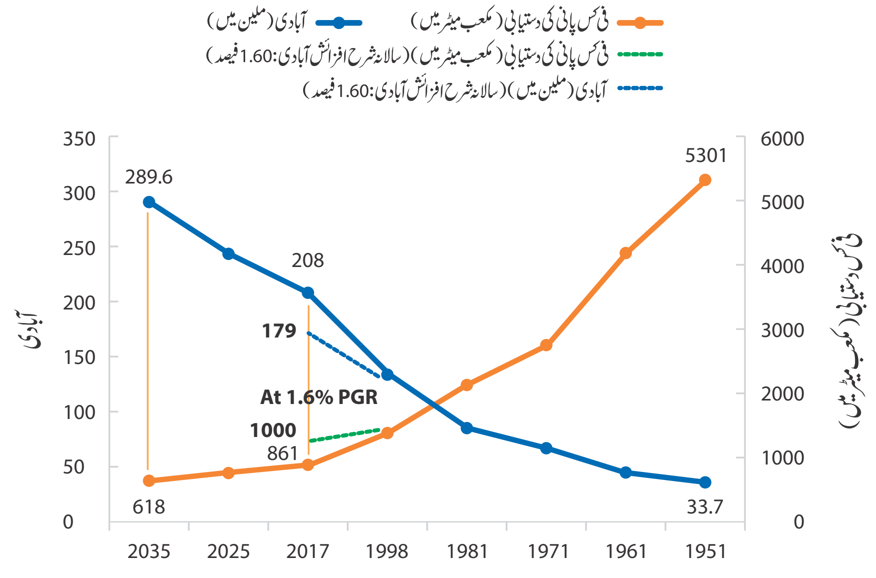

ذریعہ: پاکستان واٹر اینڈ پاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی اور پاپولیشن کونسل کے تخمینے

کے استعمال پر تیز افزائش آبادی کے اثرات بھی توجہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ ماحولیاتی تبدیلیوں، پانی کی قلت اور آبادی کے بڑھتے دباؤ کے اس عالم میں زرعی اراضی کی دستیابی جو ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں وافر تھی، بھی خطرناک حد تک کم ہو چکی ہے۔ تیزی سے بڑھتی آبادی سے اراضی اور آبی وسائل دباؤ کا شکار ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ زراعت کو چھوڑ کر کام کی تلاش میں شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔

پریشان کن بات یہ ہے کہ شہری پھیلاؤ میں اضافہ زرعی اراضی کو مزید دباؤ کا شکار بنا دیتا ہے۔ شہروں کا بے دریغ پھیلاؤ اور اس سے بھی زیادہ تیزی سے بڑھتی شہری آبادی کو رہائش اور معاش کے لئے جگہ کی فراہمی کی ضرورت کا اثر ہے کہ زرعی اراضی کو غیر زرعی مقاصد پر لگایا جا رہا ہے جو ایک اور بڑے بحران کا پیش خیمہ ہے جس میں پاکستان کے لئے خود اپنی آبادی کی خوراکی ضروریات کو پورا کرنے کی استعداد محدود ہو جائے گی۔ اس کے اثرات گندم کی قلت کے علاوہ پھلوں اور دالوں سمیت ضروری اشیائے خورد و نوش کی درآمد کی شکل میں پہلے ہی سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اراضی کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں کیونکہ زرعی اراضی کو غیر زرعی مقاصد بالخصوص رئیل اسٹیٹ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اور زیر کاشت اراضی کو رہائشی سکیموں میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ موجودہ زرخیز زرعی اراضی کو غیر زرعی مقاصد کے لئے استعمال میں لانے کا یہ رجحان دن بہ دن زور پکڑتے معاشی و سماجی فلیش پوائنٹ کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ اور ایک بار اراضی کے اس استعمال میں تبدیلی آ گئی تو اسے واپس اصل مقصد کی طرف لانا تقریباً ناممکن سی بات ہو گی۔ بعض اندازوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے دریغ شہری پھیلاؤ 77,000 ہیکٹر اراضی کو ہڑپ کر چکا ہے جس میں زیادہ تر زرخیز زرعی اراضی شامل تھی۔[1]

گزشتہ ساٹھ سال کے دوران پاکستان میں کل زیر کاشت اراضی میں صرف 40 فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ آبادی میں اضافہ پانچ گنا سے بھی زائد رہا ہے۔ دوسری جانب شہری پھیلاؤ مسلسل بڑھ رہا ہے اور بڑے شہر اپنی پرانی حدود سے کہیں باہر نکل گئے ہیں۔ نئی اور دور پار کے علاقوں کی زمینوں کو زیر کاشت لانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں لیکن اس حکمت عملی کے فوائد محدود رہے ہیں کیونکہ یہ اراضی ناقص معیار کی ہے اور اسے قابل کاشت بنانے کے لئے بہت زیادہ سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔

2002 کی آبادی پالیسی میں بارآوری میں کمی کی شرح کو دوسری اقوام کے برابر لانے کی ضرورت کو تسلیم کیا گیا۔ اس پالیسی میں پیش کی گئی سفارشات پر عمل کیا جاتا تو بارآوری کی شرح 2019 کی مطلوبہ سطح کے قریب پہنچ چکی ہوتی۔ الٹا پاکستان کے آبادیاتی و صحت سروے 2017-18 سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان میں بارآوری کی شرح فی خاتون 3.8 بچے ہے جبکہ دیگر ہمسایہ ممالک میں یہ شرح اوسطاً تقریباً 2.2 بچے ہے۔ ماسوائے کبھی کبھار کے تذکروں کے، آبادی میں بے لگام اضافے کے مسئلے کو اکثر فراموش کر دیا جاتا ہے یا پھر یہ دیگر بحرانوں مثلاً پانی کے بحران یا کم ہوتے خوراکی وسائل اور پگھلتے گلیشئرز پر ہونے والی گفتگو میں دب کر رہ جاتا ہے جیسے یہ تو کوئی ہونی ہے جسے بہر حال ہو کے رہنا ہے۔

مسئلے کا تدارک: ملکی اور عالمی مثالیں

البتہ حال ہی میں ایک ایسے حلقے کی طرف سے ردعمل سامنے آیا ہے جس کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ 2018 میں اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان کی توجہ پانی اور آبادی کے درمیان تعلق کی جانب مبذول ہوئی اور انہوں نے آبادی میں اضافے کی خطرناک شرح پر ازخود نوٹس لیا۔ اعداد و شمار اور بعض بنیادی سہولیات مثلاً تعلیم، صحت، رہائش، اور پانی کی فراہمی پر اس کے اثرات 5 دسمبر 2018 کو منعقد ہونے والے آبادی سمپوزیم کا موضوع سخن بنے۔ اس معاملے کو مشترکہ مفادات کونسل میں اٹھایا گیا اور اس کی سفارشات پر سنجیدگی سے غور کیا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کی فیصلہ کن گھڑی آن پہنچی ہے؟

ابھی بھی زیادہ دیر نہیں ہوئی اور ہماری قیادت آج بھی ہمارے محدود قدرتی وسائل کی مکمل نابودی کے خطرات پر قابو پانے کے لئے کچھ نہ کچھ کر سکتی ہے یا کم از کم مستقبل میں ان کے ضیاع کو روک سکتی ہے۔ اس سلسلے میں بنگلہ دیش کی صورت میں ایک شاندار ماڈل ہمارے سامنے ہے۔ موسمیاتی آفات مثلاً سمندری طوفانوں، سمندر کی بلند ہوتی سطح اور پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں گھرے اس کم سن ملک نے اپنی آزادی کے ساتھ ہی طے کر لیا کہ افزائش آبادی میں کمی اپنی بقاء کے لئے ناگزیر ہے۔ اس وژن اور پختہ عزم کا نتیجہ یہ ہے کہ بنگلہ دیش جہاں بارآوری کی شرح تقریباً پاکستان کے برابر تھی، وہاں افزائش آبادی کی شرح میں ہماری نسبت تقریباً نصف کمی آ گئی اور اس نے انسانی اور قدرتی وسائل کو بھی زیادہ عمدہ طریقے سے استعمال کرنے کی راہیں نکال لیں۔

پاپولیشن کونسل اور یونائیٹڈ نیشنز پاپولیشن فنڈ (یو این ایف پی اے) نے گزشتہ چھ سال کے دوران انتھک کوششیں کی ہیں اور ٹھوس شواہد کے ذریعے بااثر طبقات یعنی تمام سیاسی جماعتوں، مذہبی رہنماؤں، بیوروکریٹس اور میڈیا کی شخصیات کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ پاکستانی جوڑے کم بچے چاہتے ہیں اور ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بارآوری کی شرح کو اس حد تک کم کرنا ہو گا کہ ہم ابھرتے ہوئے چیلنجوں پر قابو پا سکیں۔ اگرچہ سیاسی جماعتوں نے تشویش کا اظہار کیا اور وعدے بھی کئے کہ وہ پیدائش میں وقفے کی خدمات تک رسائی میں بہتری کو اپنے منشور میں شامل کریں گی لیکن اس مہم کو اس طرح توجہ نہیں ملی جس طرح ملنی چاہئے تھی۔ اب ایک بار پھر مشترکہ مفادات کونسل کی سفارشات اور مینڈیٹ کی شکل میں موقع پیدا ہو گیا ہے کہ ہم اپنی آبادی کے اعداد و شمار پر توجہ دیں اور انہیں اپنے مالی، انسانی، اور سب سے بڑھ کر قدرتی وسائل کے ہم پلہ لانے کے لئے عملی اقدامات کریں۔ دیگر ممالک مثلاً ملائشیا اور انڈونیشیا افزائش آبادی اور قدرتی وسائل کے درمیان توازن پیدا کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ چین جو ایک بڑا ملک ہے، نے بھی اپنے محدود قدرتی وسائل کے تحفظ اور اپنے انسانی و معاشی وسائل کو بھرپور انداز میں بروئے کار لاتے ہوئے غربت کم کرنے اور وقت کے ساتھ ایک سپر پاور بننے کے لئے افزائش آبادی میں کمی کے باہم مربوط منصوبے پر کام کیا ہے۔

افزائش آبادی اور قدرتی وسائل میں کمی کی ان الجھی گتھیوں کو سلجھانے کا ایک راستہ جسے تاحال آزمایا نہیں گیا، شاید یہ ہو سکتا ہے کہ موسمیاتی تبدیلی کے پیچیدہ مسائل کو آبادی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے۔ موسمیاتی تبدیلی پر جو کچھ ہوا ہے اس کے سماجی اور آبادیاتی پہلوؤں پر توجہ بڑھا کر اور اس کے متاثرہ افراد کو اس بحث کا حصہ بنا کر موسمیاتی تبدیلی کے خطرے کو کلی انداز میں دیکھنے کے لئے ایک ٹھوس مقدمہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ اس بناء پر ہو سکتا ہے کہ موسمیاتی تبدیلی اور ماحولیات پر کام کرنے والے گروپ آبادی پر زیادہ توجہ دیں۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ آبادی کے محرکین کو پیش نظر رکھے بغیر موسمیاتی رجحانات اور تبدیلیوں کو سمجھنا اور ان کے خطرات میں کمی لانا، ناممکن سی بات ہے۔ اس کے علاوہ آبادیاتی تخمینے مستقبل کے خطرات کی درست اور بہتر تصویر کشی کے لئے بھی ناگزیر ہیں جس کے بغیر آپ ان موسمیاتی اثرات سے نمٹنے کی تیاری نہیں کر سکتے جو وقت کے ساتھ تہہ در تہہ کھلتے جائیں گے۔ آبادیاتی ماہرین کا کہنا ہے کہ آبادی کے حجم، عمر کے ڈھانچے، گھرانوں کے حجم اور شہری پھیلاؤ کے بارے میں بہتر اور تفصیلی سمجھ بوجھ اور معلومات کو موسمیاتی تبدیلی کی شدت میں کمی لانے اور طرز زندگی اس کے مطابق ڈھالنے سے متعلق فیصلہ سازی میں شامل کیا جائے[2] جسے آگے چل کر غربت میں کمی اور ترقی کی تمام تر کوششوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ آبادیاتی تجزیئے کو اگر ان طاقتور عوامل کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو افزائش آبادی میں کمی لانے کی اہمیت بالآخر مطلوبہ حد تک زور پکڑ سکتی ہے۔

---

1 یو این ڈی پی پاکستان، ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان (2018)، ’’پائیدار شہری پھیلاؤ‘‘۔

2 ہونف ینگ ایم، موجل گارڈ کے، ہارڈی کے (2009)۔ Projecting Population, Projecting Climate Change. Population in IPCC Scenarios۔ واشنگٹن: پاپولیشن ایکشن انٹرنیشنل

ہے اور لڑکیوں کی تعلیم کو بھی فروغ دے سکتا ہے۔ کنبے کا حجم ایسے گھرانوں کی تعلیمی کامیابی پر گہرے اثرات دکھاتا ہے جہاں سکول تعلیم دستیاب تو ہو لیکن مہنگی ہو۔ نسبتاً نامناسب وسائل کے حامل بڑے کنبے کی لڑکیوں کے سکول جانے کا امکان کم ہوتا ہے۔

پاکستان میں بڑھتی آبادی خواتین کی بااختیار حیثیت، خوراکی سلامتی، ماحول کی پائیداری، ترقی اور استحکام کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے۔ آبادی چونکہ ترقی اور غربت میں کمی کے تعین میں اہم کردار ادا کرتی ہے اس لئے یہ پائیدار ترقی کے سبھی سترہ مقاصد اور 169 اہداف کے حصول پر بالواسطہ اور بلاواسطہ اثر دکھائے گی۔ پائیدار ترقی کے عالمی اہداف نمبر 2 سے 6 تک کے آبادی سے متعلق اہداف کے حصول پر توجہ مرکوز کرنے سے پاکستان کو افزائش آبادی کے حوالے سے پائیدار راہ پر ڈالنے میں مدد ملے گی اور اس کے لئے ایک باہم مربوط اور کثیر شعبہ جاتی لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔

دو فیصد کی موجودہ شرح افزائش کے پیش نظر پاکستان کو 2040 تک بارہ کروڑ ملازمتیں پیدا کرنا ہوں گی، 2040 تک 85,000 مزید پرائمری سکول بنانا ہوں گے اور 2040 تک ایک کروڑ نوے لاکھ مزید گھر بنانا ہوں گے۔ بنیادی ڈھانچے کی دیگر سہولیات مثلاً صحت اور ٹرانسپورٹ وغیرہ کی سہولیات کو بھی وسیع کرنا ہوگا۔

معاشی اشاریوں کے لئے اس کے مضمرات کیا ہیں؟

اس سے انکار ممکن نہیں کہ تیز افزائش آبادی معاشی افزائش کی رفتار کو سست کر دیتی ہے۔ آبادی میں عمر کا ڈھانچہ بھی کسی حد تک معاشی افزائش میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ 1994 میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی آبادی کانفرنس کے بعد سے ترقی کے عمل میں آبادی کے کردار پر سوچ میں وقتی تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ آبادی کے محرکین واقعی بہت زیادہ کردار ادا کرتے ہیں اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ پاکستان میں آبادیاتی تبدیلی کا رجحان اور رفتار آنے والی دہائیوں میں ملک کی میکرو اکنامک کارکردگی میں رکاوٹیں پیدا کرے گا۔

پاکستان کے موجودہ آبادیاتی حالات اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے سازگار ہیں۔ تاہم کام کرنے کی عمر والی بڑی آبادی کے معاشی ثمرات اس طرح حاصل نہیں کئے گئے جس طرح ہونا چاہئیں بلکہ ان کا انحصار اس بات پر ہے کہ پیداواری صلاحیت بڑھانے کے لئے انسانی سرمائے پر سرمایہ کاری کی جائے، روزگار کے مواقع اور ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو سرمایہ کاری اور بچت کی حوصلہ افزائی کرے۔ اگر حالات سازگار ہوں تو ملک کی معاشی افزائش زیادہ تیز ہو سکتی ہے جسے ''آبادیاتی ثمرات'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی منطق یہ ہے کہ جیسے جیسے بارآوری کی شرح کم ہوتی ہے، گھرانوں کے پاس بچوں کی تعلیم اور صحت کے لئے وسائل بڑھتے جاتے ہیں اور یوں بحیثیت مجموعی انسانی سرمایہ میں بہتری آتی ہے۔

تاہم ان تبدیلیوں کے معاشی ثمرات کا ادراک ملک کی اس استعداد کے ساتھ جڑا ہے کہ وہ کارکنوں کو ثمر آور روزگار دے سکے، اور عمدہ طرز حکمرانی اسے مضبوط بناتا ہے، جس سے صنعتی عمل کی رفتار تیز ہوتی ہے، مالی منڈیوں کو ترویج ملتی ہے اور سب سے بڑھ کر تعلیم و تربیت کے شعبوں میں ہر طرف سرمایہ کاری ہوتی ہے۔

آخری بات، بیروزگاری کی شرح میں کمی اور افرادی قوت میں شامل ہونے والے افراد کی بڑھتی تعداد کو باعزت روزگار کی فراہمی حکومت کے لئے ایک بڑا اور فوری چیلنج ہے۔ آبادی کے محرکین بیروزگاری کی شرح پر گہرا اثر دکھاتے ہیں۔ لیبر فورس 18-2017 کو استعمال کرتے ہوئے بیروزگاری کو 2017 کی موجودہ سطح پر برقرار رکھنے کے لئے بھی 2030 تک اوسطاً ہر سال تقریباً سولہ لاکھ نئی ملازمتیں پیدا کرنے کی ضرورت پڑے گی۔

پاکستان میں آبادی پر کنٹرول کے پروگرام اس کی تاریخ کا حصہ ہیں تاہم لگتا ہے کہ ان کے اثرات محدود رہے ہیں۔ پاکستان میں افزائش آبادی کو سنبھالنے اور اس سے نمٹنے کے لئے کن پالیسیوں اور منصوبوں کی ضرورت ہے اور ان پر عملدرآمد کے لئے کس نوعیت کے نظام درکار ہیں؟

فی الواقع، 1960 کی دہائی سے پاکستان میں بننے والی آبادی کی تمام پالیسیوں میں زیادہ تر آبادی کے بعض اہداف کے حصول یعنی بارآوری کی شرح اور مانع حمل طریقوں کے استعمال کی شرح کو ایک خاص حد تک لانے وغیرہ کی بات ہوتی رہی ہے۔ لیکن کیا آبادی پالیسی، یعنی منطق کی رو سے وقتاً فوقتاً آبادی کے اہداف کا تعین، لوگوں کی آسودہ حالی میں بہتری لانے، تولیدی عمل کے بارے میں گھرانوں کے طرز عمل میں تبدیلی لانے اور کنبے کے حجم کے بارے میں مختلف خیالات کو دور کرنے اور بچوں پر سرمایہ کاری کے لئے کافی ہے یا کوئی دیگر عوامل اس سے بھی کہیں زیادہ اہم ہیں؟

پاکستان میں پالیسی سازوں کا زور افزائش آبادی کو سست کرنے پر رہا ہے جس کے لئے بنیادی طور پر خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات کی فراہمی کام کیا گیا۔ تاہم ساٹھ سالہ تجربہ بتاتا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں نے بارآوری پر برائے نام اثر دکھایا ہے۔ بارآوری کی شرح میں کمی صاف طور پر ان سماجی و اقتصادی عوامل کا پیچیدہ باہمی عمل ہے جو آبادی، تولیدی صحت کے نتائج اور آبادیاتی تغیر کی مجموعی کارکردگی پر اثر دکھاتے ہیں۔

آبادی کے مسائل چونکہ سب کو متاثر کرتے ہیں اور کوئی ایک محکمہ ان کا موثر ازالہ نہیں کر سکتا اس لئے حکومت کو چاہئے کہ اس مسئلے سے موثر طور پر نمٹنے کے لئے ایک نیا کثیر شعبہ جاتی آبادی پروگرام وضع کرے۔

مذکورہ بالا صورتحال کے پیش نظر حکومت نے بارآوری میں کمی کے طریقوں کو وسعت دی ہے جن کا مقصد بہتر غذائیت، صحت و تعلیم، خواتین کے لئے زیادہ معاشی خود مختاری، صنفی برابری اور خاندانی منصوبہ بندی کی معلومات و خدمات کے ذریعے غریبوں کی زندگیاں بہتر بنانا ہے۔

اس کثیر شعبہ جاتی سوچ کو ذہن میں رکھتے ہوئے 2018 میں حکومت نے آبادی کے مسائل سے نمٹنے اور خاندانی منصوبہ بندی کی معلومات و خدمات تک رسائی بہتر بنانے کے لئے ایک غیر معمولی اور دلیرانہ عزم کا اظہار کیا۔ اس ضمن میں حکومت نے سپریم کورٹ کی سفارشات پر عملدرآمد کے لئے وفاقی اور صوبائی سطحوں پر ٹاسک فورسز قائم کیں۔

یہ سفارشات جن کی منظوری مشترکہ مفادات کونسل نے بھی دی، آٹھ سٹریٹجک شعبوں میں اقدامات کا مجموعہ ہیں جن کا تعین پاکستان میں آبادی کی صورتحال، درپیش مشکلات اور بہترین مروجہ عالمی طریقوں اور سرگرمیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے جو قطعی نتائج دکھا سکتے ہیں اور افزائش آبادی کی بلند شرح، مانع حمل طریقوں کے کم استعمال، بارآوری کی بلند شرح اور بلند شرح اموات سے نمٹنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ سابقہ سرگرمیوں کے برعکس یہ نئی سفارشات آبادی کے مسائل کے ازالہ کے لئے حقوق، ہر جگہ سب کی رسائی اور کثیر شعبہ جاتی سوچ پر زور دیتے ہیں۔

یہ سفارشات درج ذیل ہیں:

1. خاندانی منصوبہ بندی اور تولیدی صحت کی خدمات کو ہر جگہ سب کی رسائی میں لایا جائے۔
2. وفاقی حکومت کی جانب سے افزائش آبادی کی شرح کم کرنے کے لئے ایک پانچ سال خصوصی فنڈ کا قیام۔
3. قانون سازی۔
4. ایڈووکیسی اور ابلاغ۔
5. شعور و آگاہی کا نصاب اور تربیت۔
6. مانع حمل اشیاء کا تحفظ۔
7. علماء کی معاونت۔

کیا دنیا میں آبادی پر کنٹرول کے پروگراموں کی کوئی ایسی مثالیں موجود ہیں جن پر کامیابی سے عملدرآمد کیا گیا؟ پاکستان ان سے کیا کچھ سیکھ سکتا ہے اور کون سی باتوں کو اپنا سکتا ہے؟

جنوبی ایشیائی خطے کے متعدد ممالک آبادی کو مستحکم بنانے میں کامیاب رہے ہیں جن میں بنگلہ دیش اور ایران بھی شامل ہیں۔ میں ان دونوں ملکوں کا پاکستان کے ساتھ مختصر موازنہ کرنا چاہوں گی۔

کے ماڈل کو نئی قوت بخشنا ہوگی۔ لیڈی ہیلتھ ورکرز اور ڈاکٹروں کو قرضے دیئے جائیں تاکہ وہ اپنے کلینک شروع کر سکیں جو خواتین کی صحت کی ضروریات کو پورا کریں۔

تعلیم کے اعتبار سے نصاب پر نظرثانی کر کے اس میں 'آبادی کے حساب' کو شامل کرنا ہوگا تاکہ بچوں کی حوصلہ افزائی ہو کہ وہ بڑھتی آبادی کے فوائد اور نقصانات کا حساب لگائیں جس کے لئے ان کے پاس گھرانوں کی اصل مثالیں موجود ہوں۔ اوائل عمری سے ہی آبادی کے محرکین کے بارے میں اس طرح کی تجزیاتی سوچ ذہن کو اس طرف مائل کرنے کے لئے ضروری ہے۔

تقریباً تین سو دیہات میں سرگرمیوں سے اندازہ ہوا ہے کہ معاشی صورتحال کے باعث بچوں کی خواہش کم ہے لیکن خدمات کی فراہمی ناقص ہے اور خواتین کے لئے ان خدمات تک رسائی آسان نہیں ہے۔

نجی شعبے کو ساتھ ملا کر اس مسئلے کو دور کیا جاسکتا ہے جبکہ سرکاری شعبے کو صرف نگرانی کی ذمہ داریاں سونپی جائیں۔ اس سلسلے میں سب سے کامیاب اشتراک عمل گرائپ واٹر کی مدد سے "ساتھی" کے ساتھ رہا ہے۔

آخری چیز، سیاسی اور عوامی عزم ناگزیر ہے تاکہ گھرانوں کا نظام بہتر طریقے سے چلایا جاسکے۔

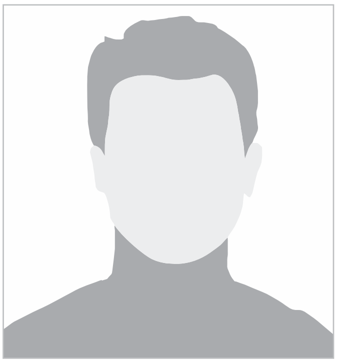

احسان الحق

چیف ایگزیکٹو آفیسر
نیشنل ٹرسٹ فار پاپولیشن (این اے ٹی پی او ڈبلیو)

مکرر ارشاد

".... پاکستان کا شمار دنیا کے ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں افرادی قوت سب سے کم عمر ہے۔"

دوسروں پر انحصار کرنے والی اور انحصار نہ کرنے والی آبادی کے تناسب پاکستان میں معاشی افزائش پر کس طرح اپنا اثر دکھاتے ہیں؟

1998 تک پاکستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا بڑا ملک رہا۔ مردم شماری 2015 کے عبوری ڈیٹا کے مطابق پاکستان میں 2. کروڑ 75 لاکھ افراد بستے ہیں۔ 2.4 فیصد سالانہ پر آبادی کی موجودہ شرح افزائش کے ساتھ پاکستان کی آبادی 1. 2. میں 60 کروڑ 0. لاکھ تک اور 3. 2. میں 32 کروڑ تک پہنچ جائے گی اور عین ممکن ہے کہ انڈونیشیا، برازیل، روس اور امریکہ سے تجاوز کر جائے گی۔ شرح افزائش کے یہ اندازے پانی، جنگلات اور قابل کاشت اراضی پر دباؤ مزید بڑھا دیں گے اور حالیہ سالوں میں جو کچھ معاشی بہتری آئی ہے وہ بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔

موجودہ بلند شرح افزائش کی وجہ سے /2 سال سے کم عمر آبادی میں انحصار کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ عمر رسیدہ افراد کی بڑھتی تعداد کے باعث بھی انحصار کے تناسب میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس وقت پاکستان میں دوسروں پر انحصار کرنے والی آبادی (/2 سال سے کم عمر اور 34 سال سے زائد عمر) کا تناسب 34 فیصد سے زائد ہے۔ دوسروں پر انحصار کرنے والی آبادی کا یہ بلند تناسب پاکستان کی معاشی افزائش پر متعدد منفی اثرات مرتب کرتا ہے مثلاً:

- سرمایہ کی دستیابی کم ہونے کی وجہ سے افراد/ خاندانوں کی طرف سے سرمایہ کاری کی شرح کم رہ جاتی ہے۔ یہ صورتحال پاکستان میں معاشی افزائش کی پست شرح میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔
- پاکستان میں دوسروں پر انحصار کرنے والی آبادی کا بلند تناسب شعبہ رہائش کو بھی بوجھ کا شکار بنا دیتا ہے۔ بحیثیت مجموعی، اس بنا پر یہ شعبہ افراط زر کا شکار ہو گیا ہے اور معقول رہائشی سہولیات آبادی کے ایک بڑے حصے کی سکت سے باہر ہو گئی ہیں۔
- عمر رسیدہ اور پانچ سال سے کم عمر افراد کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے پاکستان میں صحت کی سہولیات بھی دباؤ کا شکار ہو رہی ہیں جس سے حفظان صحت/ ادویات کی مانگ مزید بڑھ گئی ہے۔ پاکستان کا زیادہ تر بالخصوص جان بچانے والی ادویات کے معاملے میں انحصار چونکہ درآمدی ادویات پر ہے اس لئے اسے ادویات اور حفظان صحت پر زر مبادلہ کا ایک بڑا حصہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان میں اس وقت ایک بہت بڑا ہجوم نوجواناں اور بڑی تعداد میں افرادی قوت موجود ہے۔ انہیں کس طرح بھرپور طریقے سے بروئے کار لا کر بڑھتی آبادی کے منفی اثرات پر قابو پایا جا سکتا ہے؟

پاکستان کا شمار دنیا کے ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں افرادی قوت سب سے کم عمر ہے۔ / . کروڑ سے زائد آبادی 1 . سال سے کم عمر ہے۔ آبادی کے بارے میں اندازوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مزید 1 . سے 31 سال تک ہماری آبادی اس ''ہجوم نوجواناں'' کے غلبے میں رہے گی۔

پاکستان نے اس صورتحال کو بہتر بنانے کا تہیہ کر رکھا ہے اور اس سلسلے میں نوجوانوں کی تربیت اور مہارتوں کی ترویج، ذاتی کاروبار کے مواقع اور قوم کو باہم ضم کرنے کے لئے بڑی سرمایہ کاری کی جا رہی ہے۔ پاکستان میں نوجوانوں کو جنسی و تولیدی صحت کی معلومات اور خدمات تک رسائی میں مسائل کا سامنا ہے۔ آبادی کی صوبائی پالیسیوں اور صحت کی حکمت عملیوں میں انہیں شاذ و نادر ہی شامل کیا جاتا ہے جبکہ جنسی و تولیدی صحت کی معلومات اور صحت کی سازگار خدمات انہیں بمشکل ملتی ہیں۔ زندگی میں کام آنے والی مہارتوں کے ترغیبی پروگراموں کی اہمیت اب ملک میں تسلیم کی جا رہی ہے۔

افرادی قوت کی استعداد بھرپور طریقے سے بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہے کہ ذاتی روزگار کے پروگرام شروع کئے جائیں۔ پاکستان کی موجودہ حکومت کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے اور اس کی توجہ نوجوانوں کے لئے قرضہ سکیموں، ذاتی روزگار کی سکیموں وغیرہ پر مرکوز ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی اشد ضروری ہے کہ وہ پاکستان میں خاص طور پر صنعتی شعبے میں سرمایہ لگائیں۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) سے بھی نوجوانوں کو روزگار کے مواقع مل رہے ہیں اور سی پیک کے ساتھ ساتھ اکنامک زون بنائے جا رہے ہیں جس سے نوجوانوں کو بڑی تعداد میں روزگار کے مواقع ملیں گے۔

آبادی کے رجحانات نے شہروں کی مجموعی پیداواری صلاحیت پر کس طرح اپنا اثر دکھایا ہے؟

پاکستان کی شہری آبادی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ /677 میں یہ 32.3 فیصد تھی جو 0 . /5 میں 2.41 فیصد تک پہنچ گئی۔ قومی آبادی پالیسی کے اندازوں کے مطابق دیہی سے شہری علاقوں کی طرف نقل مکانی کے موجودہ رجحانات کا سلسلہ جاری رہا تو شہری آبادی کا تناسب 0 .30 میں 2 . فیصد تک پہنچ جائے گا۔ اس وقت پاکستان کے / . شہر ایسے ہیں جن کی آبادی دس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ 35 شہروں کی آبادی ایک لاکھ سے دس لاکھ کے درمیان ہے۔ اگر اندرون ملک نقل مکانی کا رجحان جاری رہا تو بڑے شہروں (دس لاکھ اور زیادہ آبادی والے) کی تعداد 0 .30 میں /0 کے لگ بھگ پہنچ جائے گی۔

وژن 0 .30 کی دستاویز کے مطابق پاکستان میں شہری پھیلاؤ میں / فیصد اضافہ ہو تو معاشی افزائش کی شرح میں /. / فیصد کا اضافہ ہوتا ہے۔ اس دستاویز میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں کچی آبادیوں میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جہاں سیوریج جیسی بنیادی سہولتیں بھی میسر نہیں ہیں۔ پاکستان تیز رفتار شہری پھیلاؤ سے پیدا ہونے والی مشکلات کو پوری طرح سمجھتا ہے اور ان کچی آبادیوں میں اضافہ شہری اور دیہی ترقی کے درمیان

فرق کو زیادہ وسیع کر دیتا ہے۔نقل مکانی سے بننے والی یہ آبادیاں محروم علاقے بن کر رہ جاتے ہیں کیونکہ کچی آبادیاں شہری ترقی کے اداروں کے ترقیاتی منصوبوں میں نہیں آتیں اور عام طور پر یہاں تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ اور رہائش کی فراہمی پر کام نہیں کیا جاتا۔ بھلے یہ علاقے شہری مکینوں کو سستی افرادی قوت فراہم کرتے ہیں لیکن ان کے باسیوں کی زندگی غربت اور خراب صحت میں لپٹی ہے کیونکہ یہاں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے۔اے پی ایم ڈی کا عزم ہے کہ انسانی آبادیوں کا معیار بہتر بنایا جائے اور غربت کے خاتمہ کے سیاق وسباق میں شہری اور دیہی علاقوں کے باشندوں کے رہنے اور کام کرنے کے حالات میں بہتری لائی جائے۔

شہروں کے تیز پھیلاؤ کی وجہ سے رہائشی سکیمیں زرعی اراضی کو ہڑپ کر رہی ہیں اور پاکستان کی اعلی درجے کی زرخیز زمین غیر پیداواری استعمال کی نذر ہو رہی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہری پھیلاؤ کسی منصوبہ بندی کے بغیر اور بے ڈھنگے طریقے سے ہو رہا ہے۔ یہ پائیدار زرعی سرگرمیوں کے لئے بھی خطرہ ہے۔شہری پھیلاؤ کو افزائش کا ایک اہم محرک بنانے کے لئے موثر شہری منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ زوننگ کے مناسب قوانین بھی ضروری ہیں۔شہری منصوبہ سازوں کو توسیع کے لئے ایسے نئے علاقے یا نئے شہر تلاش کرنا ہوں گے جو اعلی درجے کی **زرعی زمین کو ہڑپ نہ کریں۔**

پاکستان میں افزائش آبادی کو سنبھالنے اور سلجھانے کی جستجو میں آگے بڑھنے کے لئے کن پالیسیوں اور منصوبوں کی ضرورت ہے؟

افزائش آبادی کی موجودہ شرح سے پاکستان کی آبادی آئندہ 1 . سال میں دوگنا ہو جائے گی جبکہ جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک میں دوگنا ہونے کا اوسط عرصہ 4 . سال ہے۔ایک اندازے کے مطابق ملک کی آبادی 1 .20 تک 60 کروڑ 3 . لاکھ ہو جائے گی۔

افزائش آبادی کی یہ بلند سطح ناپائیدار ہے اور سماجی ومعاشی ترقی کے اعتبار سے جو کچھ معمولی بہتری آتی ہے وہ اسی کی نذر ہو جاتی ہے۔آبادی میں تیزی سے اضافہ موسمیاتی تبدیلی، ماحولیاتی بگاڑ، جنگلات کے خاتمہ اور سب سے بڑھ کر پانی کی فی کس دستیابی میں کمی پر براہ راست منفی اثرات کا باعث بنتا ہے جس کی وجہ سے پاکستان پانی کی کمی کا شکار ہو رہا ہے۔اس سے خوراکی سلامتی کا مسئلہ بھی بگڑ جائے گا اور ملک کی پائیدار ترقی کے امکانات کے لئے خطرات پیدا ہو جائیں گے۔

افزائش آبادی کی خطرناک شرح کا ادراک کرتے ہوئے حکومت نے پاکستان میں افزائش آبادی کی شرح کو کنٹرول کرنے کی سفارشات تیار کرنے کے لئے ایک ٹاسک فورس تشکیل دی ہے۔اس ٹاسک فورس نے پاکستان کو درپیش مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سفارشات تیار کی ہیں جن کا مقصد افزائش آبادی کی شرح کو کم کرنے، باروری کی کل شرح میں کمی لانے اور مانع حمل طریقوں کے استعمال کا تناسب بڑھانے کی حکومتی کوششوں میں تیزی لانا ہے۔ یہ سفارشات آبادی کی صوبائی پالیسیوں سے ہم آہنگ ہیں اور کوآرڈینیشن، معاونت، بین الاقوامی/ دوطرفہ معاہدوں وغیرہ جیسی وفاقی حکومت کی ذمہ داریوں کو سامنے رکھتے ہوئے تیار کی گئی ہیں۔قومی ترقی کے عمل کو آگے بڑھانے کے مشترکہ وژن/ رہنما اصولوں میں سرپرستی والا کردار وفاقی حکومت نے اپنے پاس رکھا ہے۔ان سفارشات میں درج ذیل شعبوں پر توجہ مرکوز کی گئی ہے:

افزائش آبادی کی شرح کم کرنے، باروری کی کل شرح میں کمی لانے اور مانع حمل طریقوں کے استعمال کے تناسب میں اضافہ کے عمل کو آگے بڑھانے، اس کی نگرانی اور اس سے متعلق اہم فیصلے کرنے کے لئے قومی اور صوبائی سطح پر ٹاسک فورسز بنائی جائیں۔

1. خاندانی منصوبہ بندی اور تولیدی حفظان صحت کی خدمات کی سب کے لئے، ہر جگہ رسائی یقینی بنائی جائے۔
2. صوبائی اور وفاقی حکومتیں اس مقصد کے لئے مختص کی جانے والی رقوم بڑھائیں۔
3. قانون سازی: خاندانی منصوبہ بندی وتولیدی حقوق کا بل، بچپن کی شادی کی ممانعت کا قانون، قبل از شادی صلاح مشورہ کی خدمات وغیرہ۔
4. ایڈووکیسی اور ابلاغ: قومی بیانیہ کی تشکیل، رویوں میں تبدیلی کا ابلاغ اور عملی اقدام کے لئے ذرائع ابلاغ پر بھرپور سرگرمیاں، وغیرہ۔
5. تربیت ونصاب: مطالعہ آبادی اور آبادی کے محرکین کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے۔
6. مانع حمل اشیا کا تحفظ یقینی بنایا جائے اور ان کے سپلائی چین مینجمنٹ سسٹم کو مضبوط بنایا جائے۔
7. علما کی مدد حاصل کی جائے: علما اور خطیب صاحبان کے لئے خاندانی منصوبہ بندی پر تربیتی کورسز منعقد کرائے جائیں۔

کیا عالمی برادری میں ہمیں ترقی کے کوئی ایسے ماڈل ملتے ہیں جو افزائش آبادی کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور جنہیں پاکستان میں اپنایا جا سکے؟

کئی ایسے ممالک ہیں جہاں ترقی کے ایسے کامیاب ماڈلز موجود ہیں جو آبادی میں اضافہ کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ان ملکوں کے اپنے سماجی ومعاشی اور سیاسی محرکین ہیں۔

پاکستان کا شمار ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں دنیا کے سب سے بڑے ہجوم نوجواناں موجود ہیں اور اس کے اپنے سماجی ومعاشی اور سیاسی محرکین ہیں۔اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے اس ہجوم نوجواناں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور محروم طبقات کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے متعدد پروگرام متعارف کرائے ہیں۔

ملک میں بڑھتی بے روزگاری سے نمٹنے کے لئے وزیر اعظم کا یوتھ پروگرام نوجوانوں کی سماجی ومعاشی ترقی کا ایک انقلابی پروگرام ہے۔اس میں کئی طرح کی سکیمیں شامل ہیں جن کا مقصد نوجوانوں اور آبادی کے غریب طبقات کو اس قابل بنانا ہے کہ انہیں روزگار کے اچھے مواقع ملیں، وہ معاشی لحاظ سے بااختیار ہوں، وہ ثمر آور روزگار کے لئے درکار مہارتیں حاصل کر سکیں، انہیں اعلی تعلیم اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذرائع تک رسائی میسر ہو، نوجوان گریجویٹس کے لئے ثمر آور روزگار حاصل کرنے کا امکان بہتر بنانے کے لئے دوران ملازمت تربیت/ انٹرن شپ تک رسائی میسر ہو۔

50 مارچ 0 . /7 کو وزیر اعظم پاکستان نے "احساس" پروگرام کا آغاز کیا جس کا مقصد عدم مساوات کو کم کرنا، لوگوں پر سرمایہ لگانا اور پیچھے رہ جانے والے اضلاع کو آگے لانا ہے۔

احساس، دراصل اشرافیہ کے شکنجے کو توڑ کر اور اکیسویں صدی کے ذرائع مثلاً ڈیٹا اور ٹیکنالوجی کی بنیاد پر سیفٹی نیٹ پروگراموں کی تشکیل، مالی شمولیت کے فروغ، ڈیجیٹل خدمات تک رسائی، خواتین کی بااختیار معاشی حیثیت میں معاونت، غربت کے خاتمہ، معاشی افزائش اور پائیدار ترقی کے لئے انسانی سرمایہ کی تشکیل پر بطور مرکزی کردار توجہ، اور صحت اور بعد از ثانوی تعلیم تک رسائی میں مالی رکاوٹوں کے خاتمے کے ذریعے ایک 'فلاحی ریاست ※' قائم کرنے کا نام ہے۔

پروگرام کے اصولوں اور لائحہ عمل میں بھی مسائل کے حل نکالنے کے لئے تمام حکومتی اداروں اور مختلف شعبوں کے اشتراک عمل سے فائدہ اٹھانے، وفاق اور صوبوں کی مشترکہ قیادت یقینی بنانے اور ایک ایسی سوچ کے تحت نجی شعبے کو مرکزی دھارے میں لانے پر زور دیا گیا ہے جس سے ایک طرف یکساں مواقع پر مبنی ماحول میسر ہو اور دوسری جانب مقامی تقاضوں سے ہم آہنگ جدت کو فروغ ملے تاکہ جلدی ثمرات دکھانے والے شعبوں میں ملازمتیں پیدا ہوں اور ذرائع معاش کو فروغ ملے۔ پروگرام کی تمہید اسی اصول پر مبنی ہے کہ اداروں، شفافیت اور عمدہ طرز حکمرانی کو مستحکم بنایا جائے۔

یہ پروگرام انتہائی غریبوں، یتیموں، بیواؤں، بے گھر افراد، معذور افراد، علاج معالجہ کے معاملے میں مفلسی کا شکار لوگوں، بے روزگار افراد، غریب کسانوں، مزدوروں، بیمار اور غذائی کمی کا شکار افراد، کم آمدنی والے طبقات سے تعلق رکھنے والے طلبہ، غریب خواتین اور بزرگ شہریوں کے لئے ہے۔اس منصوبے کا ایک مقصد ان پسماندہ علاقوں کو آگے لانا ہے جہاں غربت کی شرح زیادہ ہے۔

جہاں تک آبادی پر کنٹرول کے ماڈلز کا تعلق ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ چین، بھارت، بنگلہ دیش، انڈونیشیا اور ایران شاندار حد تک کامیاب رہے ہیں۔ لہٰذا، مشترکہ مفادات کونسل کی سفارشات میں بھی کسی نہ کسی طریقے سے کسی حد تک ان ماڈلز کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان ممالک میں آبادی پر کنٹرول کے ماڈلز کی کامیابی کو سامنے رکھتے ہوئے سپریم کورٹ آف پاکستان نے ملک میں آبادی کی خطرناک حد تک بلند شرح افزائش کے حوالے سے انسانی حقوق مقدمہ نمبر 7735/، سال0 . 6/ میں اپنے 1 جنوری 2017 کے فیصلے میں جو کچھ لکھا اس کا اردو ترجمہ قارئین کی نذر ہے:

"ایران جیسی سوچ اپناتے ہوئے اور آبادی کی منصوبہ بندی میں درپیش اصل رکاوٹ پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے ان سفارشات میں مانع حمل طریقوں کی مانگ اور استعمال بڑھانے کی بات کی گئی ہے جس کے لئے ایک بڑے پیمانے کی تحریک تجویز کی گئی ہے جس میں سیاسی رہنماؤں، علمائ، کارپوریٹ شعبے، تدریسی حلقوں، ایگزیکٹو، عدلیہ، میڈیا، دانشوروں اور نوجوانوں، سب کو ساتھ لے کر چلا جائے۔ علما پر بھی زور دیا جائے کہ وہ پیدائش پر کنٹرول کے سیاق وسباق میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دیں تاکہ ہر بچے کے لئے خوشیوں بھری اور خوشحال زندگی کو یقینی بنایا جا سکے۔ اس قومی مقصد کے لئے پاکستان الیکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھارٹی (پیمرا) کو چاہئے کہ وہ تمام ریڈیو اور ٹی وی چینلز پر پرائم ٹائم میں خاندانی منصوبہ بندی کے پیغامات کے لئے مفت ایئر ٹائم مختص کرے۔ بنگلہ دیش کی طرز پر کمیونٹی سطح کی سوچ کو اپناتے ہوئے ان سفارشات میں لازمی خدمات کے پیکج کے ایک جزو کے طور پر صحت کے تمام سرکاری اداروں اور ہسپتالوں کی طرف سے خاندانی منصوبہ بندی کی لازمی خدمات کی فراہمی کے علاوہ تمام نجی شعبے کے رجسٹرڈ پریکٹیشنرز اور ہسپتالوں کی جانب سے خاندانی منصوبہ بندی پر مشورہ ورہنمائی، معلومات و خدمات کی لازمی فراہمی کی بات کی گئی ہے۔ لیڈی ہیلتھ ورکرز اور فی الوقت' میل موبلائزر ٭ کے طور پر خدمات انجام دینے والوں کو تفصیلی تربیت کے بعد دوبارہ فعال بنایا جائے جو ہر خاندان کی خواتین اور مردوں کے لئے کام کریں اور ان کے لئے فعال اور قابل احتساب مشورہ ورہنمائی یقینی بنائیں۔ اس سے بھی زیادہ ضروری بات، سفارش کی جاتی ہے کہ وفاقی اور صوبائی حکومتیں خاندانی منصوبہ بندی کی خدمات اور زچگی کی باقاعدہ سہولیات اپنانے کی شرط پر نقد رقوم فراہمی کی سکیمیں متعارف کرائیں اور بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام جیسے مالی معاونت کے پروگراموں کو خاندانی منصوبہ بندی کی سرگرمیوں کے ساتھ جوڑ دیا جائے۔ مزید برآں، سفارش کی جاتی ہے کہ پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل (پی ایم ڈی سی) اور پاکستان نرسنگ کونسل (پی این سی) کو چاہئے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی اور تولیدی صحت پر لازمی اسباق شامل کریں تاکہ ہم مستقبل کے ڈاکٹروں اور نرسوں کو بھی اس قومی مہم میں شامل کرسکیں۔ ظاہر ہے، ہماری این جی اوز اور سول سوسائٹی سے بھی اس قومی مقصد کے لئے عمومی تعاون کی توقع اور درخواست کی جاتی ہے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو چاہئے کہ وہ مانع حمل اشیا کی مقامی پیداوار پر سرمایہ کاروں اور ادویہ ساز کمپنیوں کو مراعات دیں تاکہ ان کی رسد اور رسائی میں اضافہ ہو اور مانع حمل اشیا کی Pooled Procurement پر غور کریں۔ ایسے قوانین پر موثر عملدرآمد یقینی بنانے میں ایگزیکٹو اپنا فعال کردار ادا کرے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتیں فوری نوعیت کے اس مقصد کے لئے پائیدار انداز میں رقوم مختص کرنے پر اتفاق کرچکی ہیں اور آبادی پر کنٹرول کی اس مہم میں کسی بھی کامیابی کے حصول کے لئے انہیں اس وعدے پر قائم رہنا ہوگا۔"

عذرا عزیز

ڈائریکٹر
ریسرچ، سروے اینڈ اویلیویشن، نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پاپولیشن سٹڈیز

مکرر ارشاد

"... آبادی کے بدلتے محرکین کے پیشِ نظر پاکستان میں افزائش آبادی کے سلسلے میں کام کرنے کے لئے ایک فعال سوچ کی ضرورت ہے۔"

دوسروں پر انحصار کرنے والی اور انحصار نہ کرنے والی آبادی کے تناسب پاکستان میں معاشی افزائش پر کس طرح اپنا اثر دکھاتے ہیں؟

دوسروں پر انحصار کرنے والی آبادی کے بلند تناسب کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ معاشی لحاظ سے فعال آبادی (15 سے 64 سال) کے مقابلے میں ان پر انحصار کرنے والے افراد (14 سال تک اور 65 سال سے زائد عمر کے افراد) کی تعداد زیادہ ہے۔ انحصار کا تناسب 1988 میں 88.9 فیصد تھا جو 2017 میں کم ہو کر 64.7 فیصد رہ گیا ہے۔ یہ رجحان ظاہر کرتا ہے کہ کم سن افراد (14 سال تک) کے آبادیاتی پہلوؤں میں تیزی سے تبدیلیاں آ رہی ہیں۔

یہ آبادیاتی عمل ملکی معیشت پر گہرے اثرات دکھاتا ہے۔ تناسب بلند ہونے کا مطلب یہی ہے کہ وسائل کا استعمال زیادہ ہے اور انسانی ترقی اور روزگار پیدا کرنے پر کم توجہ دی جا رہی ہے جو ناپائیدار رجحانات ہیں۔

تاہم سبھی اثرات منفی نہیں ہوتے۔ اس کا ایک ممکنہ مثبت پہلو 'آبادیاتی ثمرات' کی شکل میں سامنے آتا ہے یعنی بارآوری کی شرح میں مسلسل کمی اور اس کے نتیجے میں آبادی کے بدلتے ڈھانچے سے مواقع کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا ہے جس میں انحصار کا تناسب کم ہونے سے انسانی سرمایہ اور مہارتوں کی ترویج پر سرمایہ کاری بڑھ جاتی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب پیداواری اور کام کرنے کی عمر کے لوگوں کی تعداد (15 سے 64 سال) زیادہ ہو اور دوسری جانب انحصار کرنے والی آبادی جس میں عمر رسیدہ افراد (65 سال اور زائد) یا بچے (15 سال سے کم) کم ہوں۔ پاکستان میں انحصار کا تناسب ابھی بھی بلند ہے اور معاشی افزائش کے نقطہ نظر سے پائیدار نہیں ہے۔

پاکستان میں اس وقت ایک بہت بڑا ہجوم نوجواناں اور بڑی تعداد میں افرادی قوت موجود ہے۔ انہیں کس طرح بھرپور طریقے سے بروئے کار لا کر بڑھتی آبادی کے منفی اثرات پر قابو پایا جا سکتا ہے؟

خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) میں سے انسانی ترقی پر سرمایہ کاری کا حصہ بڑھانا ناگزیر ہے تاکہ یہ قومی ترقی کے ابھرتے رجحانات سے ہم آہنگ رہے۔ اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کی نیشنل ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ کے مطابق ماضی میں بارآوری کی شرح میں کمی کے ساتھ ساتھ بلوغت کی عمر کی اور نوجوان آبادی میں تیزی سے اضافہ کے پیشِ نظر روزگار کے خاطر خواہ مواقع پیدا کرنا ضروری ہو گیا ہے تاکہ وہ پیداواری سرگرمیوں میں مصروف رہیں۔ پاکستان کو اوسطاً سالانہ 13 لاکھ اضافی ملازمتیں پیدا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ توقع ہے کہ نوجوان آبادی 2035 میں 50 لاکھ تک پہنچ جائے گی۔ پاکستان کو بچوں اور نوجوانوں میں انحصار کے بلند تناسب کا چیلنج درپیش ہے۔ لہٰذا ٹیکنالوجی کے میدان میں نوجوانوں کی صلاحیتیں بڑھانا، پیداواری سرمایہ کاری کو فروغ دینا اور قومی اور مقامی سطحوں پر مختلف شعبوں کے اندر اور ان کے درمیان روابط کو مضبوط بنانا انتہائی ضروری ہے۔

سماجی، معاشی، ماحولیاتی اور ثقافتی شعبوں کی توانائیوں کو یکجا کر کے بروئے کار لانے کے لئے کثیر رخی حکمت عملیوں کی ضرورت ہے تاکہ یہ شعبے نوجوانوں کی بڑھتی تعداد کو جذب کر سکیں جس سے غربت میں کمی آئے، ذاتی کاروباری سرگرمیوں، خدمات اور سیاحت کو فروغ ملے کیونکہ یہ وہ شعبے ہیں جو اشیاء اور خدمات فراہم کرنے والے چھوٹے مقامی اداروں اور لوگوں کے لئے مواقع پیدا کرتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی شعبہ خدمات کی تیز افزائش روزگار کا ایک بڑا ذریعہ بنتی ہے۔ لہٰذا پاکستان کو اس بات کا پورا خیال رکھنا ہو گا کہ یہ شعبہ نوجوانوں کو کیریئر میں مسلسل آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرے۔

مزید برآں، زرعی ترقی، تجارت، بنیادی ڈھانچے اور کام کے معیاری ماحول کو ترجیحی حیثیت دینے کے لئے بھی ضروری سرمایہ کاری اور توجہ کی ضرورت ہے۔ پائیدار افزائش کے فروغ، تمام شعبوں کی سودمند شمولیت میں بہتری اور غربت میں خاطر خواہ کمی کے ساتھ ساتھ انسانی فلاح میں بڑے پیمانے پر بہتری کے لئے تمام قومی پالیسیوں کا احاطہ کرنے والی ایک باہم مربوط پالیسی سوچ بڑھتی آبادی کے منفی اثرات پر قابو پانے میں مدد دے سکتی ہے۔

آبادی کے رجحانات نے شہروں کی مجموعی پیداواری صلاحیت پر کس طرح اپنا اثر دکھایا ہے؟

1980 کی دہائی سے پاکستان میں شہری افزائش کا عمل کافی تیز رہا ہے اور بڑے پیمانے پر اندرون ملک شہروں کی طرف اور بیرون ملک نقل مکانی ہوئی ہے۔ ایک تہائی سے زائد پاکستانی (36 فیصد) بڑے شہروں میں مقیم ہیں اور ان میں سے کچھ شہر ایسے ہیں جن کی افزائش 4 فیصد سالانہ ہے۔ شہری علاقوں کی طرف نقل مکانی بنیادی طور پر آبادی کی تقسیم نو ہے۔ نقل مکانی کرنے والے یہ لوگ زیادہ تر نوجوان اور توانائی سے بھرپور ہیں جو اکثر تعلیم یافتہ ہیں اور روزگار کے مواقع تلاش کر رہے ہیں۔

پائیدار ترقی کے مقاصد کے حصول کے لئے پاکستان کو بڑھتی آبادی کو جذب کرنے کا ناگزیر چیلنج بھی درپیش ہے۔ ترقی اور آبادی میں تیزی سے تبدیلی کے درمیان روابط پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ شہری پھیلاؤ ترقی کا ایک طاقتور محرک ہے اور آبادی کی زیادہ گنجانی قومی اور مقامی حکومتوں کو اس قابل بنا سکتی ہے کہ وہ بنیادی ڈھانچے کی سہولیات اور خدمات فی کس کم اخراجات پر زیادہ آسانی کے ساتھ فراہم کر سکیں۔ رہنے کے قابل اور پائیدار شہروں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دیہی آبادی کو مختلف خدمات مثلاً تعلیم اور حفظان صحت تک بہتر رسائی مل جاتی ہے اور وہ معاشی لحاظ سے بھی بااختیار ہوتے ہیں۔

شہر نہ صرف تعلیم اور مہارتوں کی ترویج کے مراکز کا کام دیتے ہیں بلکہ یہ لوگوں کی بڑی تعداد کے لئے روزگار کے مواقع بھی پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں غربت کم ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آبادی میں تیز افزائش سے وسائل پر دباؤ بڑھ جاتا ہے اور توانائی، پانی اور سینی ٹیشن کے علاوہ عوامی خدمات، صحت، تعلیم، تربیت اور لوگوں کی فلاح کی مانگ بھی بڑھ جاتی ہے۔ غیر موثر شہری پالیسیوں اور نظم و نسق کی عدم موجودگی کے باعث شہری علاقوں میں مسائل در مسائل سامنے آ رہے ہیں جن میں پانی کی قلت، رہائشی سہولیات کی کمی، بنیادی ڈھانچے کی مکمل ناکامی،

عوامی مقامات، پارکوں اور کھیل کے میدانوں کا خاتمہ، پانی اور ہوا کی آلودگی، رش، فالتو مواد کی تلفی اور شہروں کی صفائی کے نظام قابل ذکر ہیں۔

پاکستان میں تیز شہری پھیلاؤ اور بڑھتی آبادی کے رجحانات مقامی حکومتوں کے لئے اضافی وسائل اور ان کی استعداد میں بہتری کا تقاضا کرتے ہیں۔ روزگار، اراضی کے استعمال، ٹرانسپورٹ، خوراکی سلامتی، بنیادی ڈھانچے کی ترقی، بائیو ڈائیورسٹی کے تحفظ، پانی کی بچت، قابل تجدید توانائی کے ذرائع کے فروغ، فالتو مواد کی تلفی اور ری سائیکلنگ کے علاوہ تعلیم، حفظان صحت اور رہائشی سہولیات کی فراہمی جیسے مسائل پر قابو پانے کے لئے شہری علاقوں کی پائیدار ترقی کے باہم مربوط پالیسی فریم ورکس کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے قومی اور مقامی حکومتوں کے درمیان کثیر سطحی تعاون اور شہروں کی پیداواری صلاحیت بڑھانے کے لئے سرکاری اور نجی وسائل کو بروئے کار لانے والی پارٹنرشپس بھی ضروری ہیں۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) کے ساتھ برآمدی زونز کے قیام اور صنعتوں کی نئی جگہوں پر منتقلی بھی طویل مدتی افزائش کے لئے ناگزیر ہے۔

پاکستان میں افزائش آبادی کو سنبھالنے اور سلجھانے کی جستجو میں آگے بڑھنے کے لئے کن پالیسیوں اور منصوبوں کی ضرورت ہے؟

آبادی کے بدلتے محرکین کے پیش نظر پاکستان میں افزائش آبادی کے سلسلے میں کام کرنے کے لئے ایک فعال سوچ کی ضرورت ہے۔

مختلف شعبوں کا عملی سطح پر انضمام ایک معقول اور عملی سوچ ہے جس سے ایک جیسی خدمات فراہم کرنے والے مختلف ادارے یکجا ہو جاتے ہیں۔ نوجوانوں کو تولیدی صحت کے بارے میں آگاہی اور خدمات کے نیٹ ورکس میں شامل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ مکمل معلومات کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے کر سکیں۔ زندگی بھر کے دوران انسانی سرمایہ کی تشکیل کو مستحکم بنانے کی باہم مربوط پالیسیاں بھی ضروری ہیں جن میں نہ صرف جنسی و تولیدی صحت اور حقوق سمیت صحت، جنسی امور کی جامع تعلیم سمیت تعلیم، غربت میں کمی، شائستہ کام اور سماجی تحفظ کے انتظامات شامل ہیں بلکہ انسانی حقوق، عدم امتیاز، مساوی مواقع، خواتین کی بااختیار حیثیت اور نوجوانوں کی شمولیت پر خصوصی زور دینا بھی ضروری ہے۔

انسانی وسائل پر سرمایہ کاری کا پختہ عزم بھی اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ ترقیاتی منصوبے ایسے ہونے چاہئیں جن سے مساوی اصولوں پر مبنی، رہنے کے قابل، پائیدار شہر وجود میں آئیں جن میں ذرائع معاش اور خدمات کی بڑھتی مانگ کو پورا کرنے کی استعداد موجود ہو۔ آبادی کے جتھے ایک جگہ جمع ہونے اور شہری افزائش کے نظم و نسق سے جو ثمرات ممکن ہیں، اپنی ترقیاتی حکمت عملیوں کے تحت ان سے فائدہ اٹھا کر مرکزی حکومتیں اور مقامی حکام افزائش کے چیلنجوں پر قابو پا سکتے ہیں۔ آبادی کے محرکین اور آبادیاتی تبدیلیوں سے پیدا ہونے والے مواقع کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہوگا کہ عالمی، علاقائی اور قومی سطح پر زیادہ موثر اور مضبوط پارٹنرشپس استوار کی جائیں جن میں علوم کے باہمی تبادلے اور تکنیکی و مالی معاونت پر زور دیا جائے جس سے پاکستان کو آبادی کے اعداد و شمار اور تحقیق سے رہنمائی لیتے ہوئے شواہد اور حقوق پر مبنی پالیسیاں اپنانے میں مدد ملے گی۔

کیا عالمی برادری میں ہمیں ترقی کے کوئی ایسے ماڈل ملتے ہیں جو افزائش آبادی کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور جنہیں پاکستان میں اپنایا جا سکے؟

بنگلہ دیش نے گزشتہ دو دہائیوں کے دوران بارآوری کی شرح کو نمایاں حد تک کم کیا ہے اور لوگوں کی صحت، تعلیم اور فلاح کو یقینی بنایا ہے۔ بنگلہ دیش اگرچہ ابھی بھی ایک غریب ملک ہے لیکن اس کا شمار اب ابھرتی ہوئی معیشتوں میں ہوتا ہے اور اس کی کامیابی کا سہرا بحیثیت مجموعی انسانی ترقی کو جاتا ہے۔ افزائش آبادی کی شرح میں کمی نے انسانی سرمائے اور معاشی افزائش میں بہتری کے عمل کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

نوجوانوں کی آواز

پاکستان میں آبادی پر کنٹرول کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

علیزہ صادق

23 سال

اس میں تو کہنے والی بات ہی نہیں ہے کہ آبادی میں اضافہ پاکستان کے لئے ایک بڑھتے چیلنج کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ دیگر وجوہات کے علاوہ اس کی ایک بڑی وجہ بالخصوص نوجوانوں میں آگاہی کی کمی ہے۔ آبادی کے پروگراموں یا یونیورسٹیوں میں تحقیقی سرگرمیوں کا فقدان ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس موضوع کے بارے میں بروقت شعور و آگاہی پیدا نہیں ہوتی۔

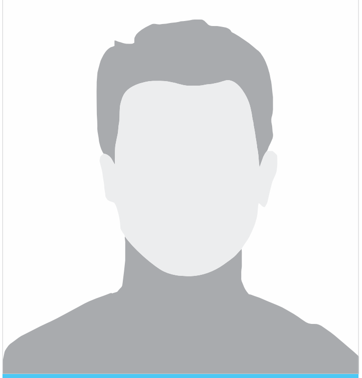

دانیال شاہ

28 سال

اس مسئلے کو دور کرنے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بین الاقوامی مثالوں سے کچھ سبق حاصل کریں۔ مثلاً چین میں ایک بچے کی پالیسی رائج کی گئی لیکن انجام کار اس نے وہ نتائج نہیں دکھائے جن کی پیشگوئیاں کی گئی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے محتاجی اور عدم محتاجی کے تناسب میں ایک بڑا فرق پیدا کر دیا۔ ہر ملک کے اپنے اپنے محرکین ہوتے ہیں۔ پاکستانی ایک کم سن قوم ہیں جن کی آزادی کو ابھی محض ستر سال ہوئے ہیں۔ ہمیں تو انسانی وسائل کی زیادہ ضرورت ہے جو ہماری معیشت میں زیادہ سے زیادہ بہتری لائیں۔ سوال یہ ہے کہ ان انسانی وسائل کو موثر انداز میں کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے اور یہی وہ سوال ہے جس پر حکومت کو توجہ دینا ہوگی۔

حبہ جمشید

26 سال

آبادی بڑھنے سے وسائل پر دباؤ بڑھتا ہے جو پہلے ہی کمیاب ہیں اور یوں پورا نظام تتر بتر ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمیں جذباتی سے زیادہ عملی خطوط پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ کہاں ہیں ہمارے ذمہ دار شہری؟

شفیع اللہ

27 سال

”آبادی پر کنٹرول میری رائے میں مسئلہ نہیں ہے۔ آبادی پر کنٹرول کے سخت پروگراموں پر عمل کیا جاتا تو آج ہمارے پاس نوجوانوں کی جو بڑی تعداد موجود ہے جو بھرپور محنت کرتے ہوئے معیشت میں جان ڈال سکتے ہیں، ان کا وجود ممکن نہ ہوتا۔ اصل دارومدار فرد پر اور اس کے دستیاب وسائل پر ہے۔“

صالحہ سلیم

29 سال

”آبادی پر کنٹرول کے موضوع کو پاکستان میں سنگین حد تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ آبادی میں اضافے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ لوگوں کو 'ثقافتی' تعریفوں کی پاسداری کرنا پڑتی ہے۔ ان غیر ضروری چیزوں کی پریشانیاں ختم ہی نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے اصل مسئلے کو توجہ ہی نہیں ملتی۔“

احمد صوفی

29 سال

”آبادی پر کنٹرول فوری توجہ کا متقاضی ہے اور حکومت کو اسے بہتر طریقے سے سنبھالنا ہوگا۔ تین چار بچوں والے گھرانے کے مقابلے میں ایک یا دو بچوں کے گھرانے میں بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت بہتر طریقے سے ہوتی ہے۔ ہماری قوم عملی سوچ سے یکسر عاری نظر آتی ہے۔“

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان